دارالعلوم کراچی کا ترجمان
ماہنامہ
البلاغ
ماہ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ / اپریل ۹۰ء
بانی
مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

خوشخبری
"البلاغ" انگریزی زبان میں
ہمارے قارئین کو یہ جان کر یقیناً مسرت ہوگی کہ جامعہ دارالعلوم کراچی جس طرح البلاغ (اردو) کے ذریعے تقریباً ۲۳ برس سے دین کی عظیم تبلیغ واشاعت کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے اسی طرح اب قارئین اور متعلقین دارالعلوم کی دیرینہ خواہش واصرار پر اندرون وبیرون ملک انگریزی داں طبقہ کے حضرات کے لئے جامعہ دارالعلوم کراچی ماہنامہ البلاغ (انگریزی) کا اجراء کر رہا ہے۔ جو مندرجہ ذیل خصوصیات کا حامل ہوگا۔ متوقع اشاعت ماہ شوال ۱۴۱۰ھ
رسالے میں ہر ماہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی شہرہ آفاق تفسیر معارف القرآن کا انگریزی ترجمہ شائع کیا جائے گا جو انگریزی زبان میں پہلی مفصل تفسیر ہوگی یہ انگریزی ترجمہ حضرت مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی کے زیر نگرانی جناب محمد حسن عسکری مرحوم نے شروع کیا تھا اور جناب محمد شمیم صاحب اس کی تکمیل کر رہے ہیں اور وہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی نظر ثانی کے بعد شائع ہو رہا ہے۔ تفسیر کے ساتھ متن قرآن کا ایک جدید مستند انگریزی ترجمہ جناب محمد شمیم صاحب مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اور جناب محمد ولی رازی صاحب مدظلہم کی مشترک کوشش سے تیار ہو رہا ہے جو تفسیر کے ساتھ قسط وار شائع ہوگا۔
البلاغ انگریزی میں مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دام ظلہ العالی قارئین کے دینی سوالات کا جواب دیا کریں گے۔
اکابر علماء دیوبند کے علوم وافکار کو انگریزی زبان میں منتقل کرکے پیش کیا جائیگا۔
اس کے علاوہ البلاغ کا ہر شمارہ پاکستان وعالم اسلام کی مشہور مذہبی شخصیات کے مضامین اور مقالات پر مشتمل ہوگا۔
واضح رہے کہ یہ انگریزی کا ایک مستقل رسالہ ہوگا "البلاغ" اردو کا ترجمہ نہیں ہوگا۔
البلاغ سفید کاغذ، بہترین طباعت اور رنگین آرٹ پیپر کے خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ ہر اسلامی مہینے کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوگا۔
اگر آپ ان خصوصیات کے حامل جریدے کا خریدار بننا چاہیں یا اس میں کوئی اشتہار دینا چاہیں تو یہ ہم خرما وہم ثواب کا مصداق ہوگا اور اس کے ذریعہ دین کی تبلیغ اور اشاعت کی خدمت بھی ممکن ہوگی۔
رابطہ کیلئے
منیر احمد خان ناظم شعبہ البلاغ (انگریزی)
دفتر البلاغ دارالعلوم کراچی ۷۵۱۸۰
فون: ۳۱۱۲۱۷ - فیکس ۳۱۳۵۳۵
قیمت فی پرچہ دس روپے
سالانہ سو روپے

مدیر البلاغ کے قلم سے بیس ملکوں کا معلومات آفریں سفرنامہ
جہانِ دیدہ
جو "البلاغ" کی قسط وار اشاعت کے دوران علمی ادبی حلقوں سے
خراجِ تحسین حاصل کرنے کے بعد بہت سے اضافوں کیساتھ
پہلی بار کتابی شکل میں منظرِ عام پر آچکا ہے۔
مسلمانوں کے تاریخی مراکز کے حالات۔ قصۂ زمیں برسرِ زمیں
تاریخ کے دلچسپ اور بصیرت افروز واقعات
مشہور اسلامی شخصیتوں کے رُوح پرور تذکرے
سعودی عرب، عراق، مصر، الجزائر، اردن، شام، ترکی، قطر، انڈونیشیا، بنگلہ دیش، انڈیا، جنوبی افریقہ، چین، برطانیہ، امریکہ، فرانس، کینیڈا، کینیا اور سنگاپور کے مشاہدات وتاثرات۔
مولانا محمد تقی عثمانی
کے دلکش اور بہار آفریں قلم سے
۶۸۶ صفحات۔ نفیس کتابت وطباعت۔ خوشنما جلد اور گرد پوش، قیمت: ۱۵۰/ روپے
ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

جلد ۲۴
رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ / اپریل ۱۹۹۰ء
شمارہ ۹

نگراں :

حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی

مدیر :

محمد تقی عثمانی

ناظم :

شجاعت علی ہاشمی

قیمت فی پرچہ چھ روپے

سالانہ سّتّر روپے

سالانہ بدل اشتراک :

بیرونِ ممالک بذریعہ ہوائی ڈاک و رجسٹری :

ریاستہائے متحدہ امریکہ ۲۸۰/ روپے ، برطانیہ ، جنوبی افریقہ ، ویسٹ انڈیز ، برما ، انڈیا ، تھائی لینڈ ، ہانگ کانگ ، نائیجیریا ، آسٹریلیا
نیوزی لینڈ ۲۳۰/ روپے (بنگلہ دیش ۱۸۰/ روپے) سعودی عرب ، عرب امارات ، مسقط ، بحرین ، عراق ، ایران ، مصر ، کویت ۲۰۰/ روپے

خط و کتابت کا پتہ : ماہنامہ "البلاغ" دار
فون نمبر : ۳۱۱۲۱۷

پبلشر : محمد تقی عثمانی دارالعلوم کراچی
پرنٹر : مشہور آفسٹ پریس ، کراچی

ذکر و فکر

مقالات و مضامین

ذکر و فکر:

حمد و ستائش اُس ذات کیلئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اُس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دُنیا میں حق کا بول بالا کیا

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا اسپین کا سفر "جہاں دیدہ" کے طبع ہونے کے بعد ہوا اس لئے اسپین کا یہ سفر نامہ "جہاں دیدہ" میں شامل نہیں۔ ادارہ

مجمع الفقہ الاسلامی اور البنک الاسلامی للتنمیۃ (جدہ) کے تعاون سے پچھلے دنوں مراکش کے دارالحکومت رباط میں ایک مذاکرہ منعقد ہوا جس کا موضوع مروجہ مالی معاملات کی شرعی حیثیت تھا۔ اس مذاکرے میں مجھے بھی شرکت کرنی تھی۔

چنانچہ میں مورخہ ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ کی صبح کراچی سے پی آئی اے کے طیارے میں روانہ ہوا۔ چونکہ رباط تک کوئی براہِ راست پرواز میسر نہیں ہے، اس لئے یہ سفر پیرس کے راستے ہونا تھا۔ درمیان میں طیارہ قاہرہ بھی ٹھہرا، اور گیارہ گھنٹے جہاز میں گذارنے کے بعد شام کے تین بجے پیرس کے اورلی ہوائی اڈے پر اُترا۔ تقریباً چار گھنٹے ایئرپورٹ پر انتظار کرنے کے بعد مجھے شام ساڑھے سات بجے ایئر فرانس کا دوسرا طیارہ ملا جس نے تین گھنٹے کی پرواز کے بعد مراکش کے وقت کے مطابق رات کے ساڑھے نو بجے رباط پہنچا دیا۔

قیام کا انتظام حیات ریجنسی ہوٹل میں کیا گیا تھا۔ مجلسِ مذاکرہ بھی اسی ہوٹل کے ایک ہال میں منعقد ہوئی، اور تقریباً پانچ دن میں مذاکرے کے اجلاسات اور اس کی مجلسِ تسوید کی ذیلی نشستوں میں مصروف رہا۔ بیچ بیچ میں چند بار شہر رباط کے مختلف حصوں میں بھی جانے کا موقع ملا، لیکن مذاکرے کے متواتر اجلاسات اور باہر مسلسل بارش کی وجہ سے زیادہ تر وقت ہوٹل ہی میں گذرا۔

مراکش اسپین سے قریب ترین اسلامی ملک ہے، اور اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ درخشاں تاریخ کی وجہ سے اس خطۂ زمین کو دیکھنے کی خواہش بچپن سے تھی، خیال یہ تھا کہ اسپین سے مراکش کے قرب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سفر میں اس خواہش کی تکمیل بھی ہو جائے تو بہتر ہے۔ لیکن ساتھ ہی مصروفیات کی وجہ سے زیادہ وقت صرف کرنا ممکن نہ تھا۔ نیز اس سفر کیلئے کسی رفیق کی بھی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا سامان یہ ہوا کہ مذاکرہ اپنے طے شدہ وقت سے دو دن پہلے ختم ہو گیا، اور ان دو دنوں میں کراچی پہنچنے کیلئے کوئی مناسب طیارہ مجھے نہ مل سکا۔ دوسری طرف ہمارے محترم دوست سید احمد صاحب جو فیصل اسلامک بینک بحرین کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر جنرل ہیں۔ اس سفر میں احقر کے ساتھ چلنے کے لئے نہ صرف آمادہ ہو گئے، بلکہ سفر کی تمام کاروائیاں اپنے ذمے لے لیں، اور بحسن وخوبی انہیں اس طرح انجام دیا کہ مجھے کچھ کرنا نہ پڑا۔

پہلے خیال یہ تھا کہ ہم رباط سے بذریعہ ریل طنجہ جائیں، اور وہاں بحرِ متوسط عبور کرنے کے لئے اسٹیمر استعمال کریں جو طنجہ سے الجزیرۃ الخضراء کی بندرگاہ پر اتارتا لیکن ہمارے پاس وقت کم تھا، اور اس راستے سے الجزیرۃ الخضراء پہنچنے میں پورا ایک دن صرف ہو جاتا، چنانچہ ہم نے اندلس کے ساحل مالقہ تک بذریعۂ طیارہ سفر کرنے کا راستہ اختیار کیا۔ ۲۳ ربیع الثانی سنہ ۱۴۱۰ھ کی شام کو مذاکرہ ختم ہوا، اور ۲۴ ربیع الثانی کی صبح ۷ بجے ہم بذریعۂ کار الدار البیضاء (کاسابلانکا) روانہ ہوئے۔ یہ سفر سڑک کے راستے دو گھنٹے کا ہے۔ دائیں جانب بحرِ متوسط کا ساحل ساتھ ساتھ چلتا ہے، اور بائیں جانب حدِ نظر تک سبزہ زار پھیلے نظر آتے ہیں۔ بیچ میں چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی آتی رہیں۔ تقریباً نو بجے ہم کاسابلانکا کے مطار محمد الخامس پہنچ گئے۔

دن کے ساڑھے گیارہ بجے اسپین کی آئی بیرین ایرلائنز کے طیارے نے مالقہ کی طرف پرواز شروع کی، کاسابلانکا سے نکل کر اس نے تقریباً پچاس منٹ میں بحرِ متوسط عبور کیا، اور تھوڑی ہی دیر میں اندلس کا ساحل اور اس پر پھیلی ہوئی مالقہ کی عمارتیں نظر آنے لگیں۔ مقامی وقت کے مطابق دن کا ڈیڑھ بجا تھا جب طیارہ مالقہ (Malaga) کے وسیع وعریض ایئرپورٹ پر اترا۔

مالقہ کا مکمل تعارف تو میں انشاء اللہ آخر میں کراؤں گا، لیکن یہاں اتنا ذکر کر دینا کافی ہے کہ یہ مسلمانوں کے دورِ حکومت میں بھی اندلس کی ایک اہم بندرگاہ تھی، اور اندلس کی تاریخ کے بڑے

اہم واقعات اس سے وابستہ ہیں۔ ہم طیارے سے اترنے کے بعد امیگریشن وغیرہ کے مراحل سے فارغ ہوئے تو تقریباً ڈھائی بج رہے تھے۔ یہاں سے غرناطہ کا سفر اندازاً ڈھائی تین گھنٹے کا تھا۔ اس لئے ظہر کی نماز مالقہ ائیر پورٹ پر ہی ادا کی۔ یہ وہ سرزمین تھی جہاں کا چپہ چپہ آٹھ سو سال تک تکبیر کی صداؤں سے گونجتا رہا، جہاں کا شاید کوئی قطعۂ زمین ایسا نہ ہو جس میں مسلمانوں کے سجدوں کے نشان ثبت نہ ہوئے ہوں، لیکن آج یہاں کوئی قبلے کا صحیح رخ بتانے والا بھی موجود نہ تھا۔ میں نے قبلہ نما کے ذریعے سمت کا تعین کیا اور ائیر پورٹ ہی کے ایک گوشے میں ہم دونوں نے نمازِ ظہر باجماعت ادا کی۔ جس خطے میں کبھی پیدا ہونے والا ہر بچہ سب سے پہلے توحید و رسالت کا اقرار سیکھتا اور نماز کے ارکان دیکھا کرتا آج وہاں کے باشندوں کیلئے ہم دونوں کی نماز کے یہ افعال اتنے نامانوس اور اجنبی تھے کہ آس پاس سے گذرنے والے حیرت کے ساتھ ہمیں دیکھتے رہے۔ مجھے یورپ اور امریکہ کے بہت سے مقامات پر ۔۔ اور بعض اوقات پبلک مقامات پر بھی ۔۔ بارہا نماز پڑھنے کا موقع ملا ہے، لیکن نماز کے افعال سے لوگوں کی نامانوسیت کا وہ انداز اسپین کے سوا کہیں اور نظر نہیں آیا۔

بہر حال! عبرت اور حسرت کے جذبات دل میں لئے اندلس کی سرزمین پر پہلی نماز پڑھی۔ دوسرے مغربی ممالک کی طرح یہاں بھی کاریں بغیر ڈرائیور کے کرائے پر مل جاتی ہیں۔ ہم نے دو روز کیلئے ایک فیسٹا کار کرائے پر لے لی۔ ذاتی طور پر مجھے اس میں یہ تأمل تھا کہ یہاں کے راستے بھی ہمارے لئے اجنبی ہیں اور یہاں کی زبان سے بھی ہم واقف نہیں، اس لئے خود ڈرائیو کرنے میں راستے میں مشکلات پیش آسکتی ہیں، مگر میرے دوست اور رفیقِ سفر سعید صاحب نے ہمت کی، اور کار خود ڈرائیو کرنے کا ذمہ لیا، یہیں سے ہمیں غرناطہ تک پہنچنے کیلئے راستوں کا ایک نقشہ بھی مل گیا۔ اور سعید صاحب نے اس نقشے کی مدد سے سفر کا آغاز کر دیا۔

غرناطہ جانے والی شاہراہ تک پہنچنے کیلئے ہمیں تھوڑی سی کاوش کرنی پڑی، لیکن پھر مالقہ کی اندرونی سڑکوں ہی پر نصب غرناطہ کی سڑک کے اشارے نظر آنے لگے۔ یہ اشارے ہر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اتنے تواتر کے ساتھ اور اتنے برموقع لگے ہوئے ہیں کہ کسی سے پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ انہی اشاروں کی پیروی کرتے ہوئے ہم مالقہ کی گنجان آبادی سے باہر نکل آئے، اب ایک صاف ستھری ہائی وے ہمارے سامنے تھی جو غرناطہ جا رہی تھی۔ رفتہ رفتہ شہر کی عمارتیں ختم ہوئیں، اور سڑک کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی سبز پوش پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جن کی سطح پر اور درمیانی میدانوں میں زیتون کے خوبصورت درخت حدِ نظر تک پھیلے ہوئے تھے، تاریخ اور ادب کی کتابوں میں اندلس کے قدرتی حسن کے جو حالات کبھی پڑھے تھے مشاہدہ ان کی پوری پوری تصدیق کر رہا تھا۔

یہ اندلس کی وہی سرزمین تھی جس پر مسلمانوں کے عروج و زوال کی آٹھ سو سالہ تاریخ

کے واقعات بچپن سے دلی وابستگی اور دلچسپی کے مرکز بنے رہے ہیں۔ تصور کی نگاہوں نے اس کے نہ جانے کتنے خاکے بنائے ہوئے تھے۔ عالم تخیل کی وہ حسین وادیاں آج نگاہوں کے سامنے تھیں، اور اُن میں آٹھ سو سال کے واقعات کی ایک فلم چلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ جس قوم نے تلواروں کے سائے میں یہاں تکبیر کے زمزمے بلند کئے تھے، وہ آٹھ صدیوں تک اپنے جاہ و جلال کا لوہا منوانے کے بعد طاؤس و رباب کی تانوں میں مدہوش ہو کر ایسی سوئی کہ آج اس کا کوئی نشان بھی سلامت نہیں رہا۔

اندلس جسے ہسپانیہ[1] اور اسپین بھی کہا جاتا ہے، یورپ کے جنوب مغربی حصے میں واقع ہے۔ اس کی سرحدیں شمال میں فرانس سے اور مغرب میں پرتگال سے ملتی ہیں، اور اس کے مشرق اور جنوب میں بحرِ متوسط بہتا ہے جسے بحرِ روم بھی کہا جاتا ہے۔

اندلس کے جنوبی ساحل کی طرف بحیرۂ روم تنگ ہو کر ایک چھوٹی سی آبنائے میں تبدیل ہو گیا ہے جس کے راستے وہ بحرِ اوقیانوس (اٹلانٹک) میں جا گرتا ہے۔ یہ آبنائے آجکل آبنائے جبل الطارق (Strait of Gibraltor) کہلاتی ہے۔ اور اس کے دوسرے سرے سے برِ اعظم افریقہ شروع ہو جاتا ہے جس کا انتہائی مغربی ملک مراکش ہے۔

میں اپنے الجزائر کے سفرنامے میں عقبہ بن نافع کے ہاتھوں مراکش کی فتوحات کا حال لکھ چکا ہوں۔ پہلی صدی ہجری کے آخر تک مسلمان افریقہ کی شمالی پٹی کو فتح کرتے ہوئے بحرِ اوقیانوس تک پہنچ گئے تھے۔ قرونِ اولیٰ کی اسلامی قوت کی یہ خصوصیت ہے کہ اُن کے پیشِ نظر ملک گیری کی ہوس یا اپنے اقتدار کے رقبے میں اضافہ کرنا نہیں تھا، اس کے بجائے وہ اللہ کے بندوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لانے کا مشن لیکر نکلے تھے، چنانچہ جہاں جہاں ان کی فتوحات کے پرچم لہرائے، وہاں وہاں عدل و انصاف اور سکون و اطمینان کا دور دورہ ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مفتوح قومیں اُن سے نفرت کے بجائے محبت کرتی تھیں، اور زمین کے جو خطے ابھی ان کے اقتدار سے محروم تھے ان میں ظلم و ستم سے کچلے ہوئے افراد یہ آرزو کیا کرتے تھے کہ مسلمان اُن کے علاقے پر بھی حملہ کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کر لیں۔

اُس وقت اسپین میں ایک عیسائی بادشاہ کی حکومت تھی جس کا نام انگریزی تاریخوں میں

---

[1] کہتے ہیں کہ طوفانِ نوحؑ کے بعد سب سے پہلے جو قوم اس خطے میں آباد ہوئی اس کا نام "اندلش" تھا، عربوں نے "شین" کو "سین" سے بدل کر اس پورے علاقے کا نام "اندلس" رکھ دیا۔ بعد میں یہاں ایک رومی بادشاہ کی حکومت ہوئی جس کا نام "اشبان" تھا۔ اسی نے اشبیلیہ شہر آباد کیا جس کی وجہ سے اشبیلیہ شہر کو "اشبانیہ" کہا جانے لگا، پھر رفتہ رفتہ یہ نام پورے ملک کیلئے بولا جانے لگا۔ اور اسی کی بگڑی ہوئی شکل ہسپانیہ یا اسپین ہے۔ (نفح الطیب للمقری ص ۱۳۰، ج ۱)

راڈرک اور عربی تاریخوں میں لزریق مذکور ہے۔ اُدھر مراکش کے ساحل سبتہ پر ایک بربری سردار کاؤنٹ جولین کی حکومت تھی، وہ بھی عیسائی تھا، لیکن راڈرک نے اُسے اپنا باج گذار بنا رکھا تھا، راڈرک ایک ظالم حکمران تھا، اور اس کی بہت سی بدعنوانیوں میں سے ایک یہ تھی کہ وہ اپنی رعایا کے نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کو شاہی تربیت کے بہانے اپنے زیرِ اثر رکھتا، اور اُن سے اپنی ہوس پوری کرتا تھا۔ جولین کی ایک نوعمر لڑکی بھی اس طرح اس کے "زیرِ تربیت" رہی، اور بالآخر راڈرک نے اُسے بھی اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ لڑکی نے اپنی اس مظلومیت کی اطلاع اپنے باپ جولین کو کردی، جس کے نتیجے میں جولین کے دل میں راڈرک اور اسکی حکومت کے خلاف نفرت کے شدید جذبات پیدا ہوگئے۔

یہ وہ وقت تھا جب مسلمان موسیٰ بن نصیر کی قیادت میں شمالی افریقہ کے بیشتر حصوں پر قابض ہوچکے تھے، جولین ایک وفد لیکر موسیٰ بن نصیر کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اُن سے درخواست کی کہ وہ اسپین پر حملہ کر کے لوگوں کو راڈرک کے ظلم وستم سے نجات دلائیں۔

موسیٰ بن نصیر نے جولین کی اس درخواست پر خلیفہ ولید بن عبدالملک سے اندلس پر چڑھائی کی اجازت طلب کی، خلیفہ نے احتیاط کی تاکید کرتے ہوئے اجازت دیدی تو موسیٰ بن نصیر نے پہلے چند چھوٹی چھوٹی مہمات طنجہ سے اندلس بھیجیں، تاکہ حالات کا صحیح اندازہ ہوسکے، یہ مہمات کامیابی سے ہمکنار ہوئیں تو موسیٰ بن نصیر نے طارق بن زیاد کی سرکردگی میں ایک بڑا لشکر اندلس پر چڑھائی کیلئے روانہ کردیا۔

طارق بن زیاد کا لشکر سات ہزار مسلمانوں پر مشتمل تھا۔ انہیں طنجہ سے اندلس پہنچانے کیلئے چار بڑی کشتیاں استعمال کی گئیں جو کئی روز تک فوج کی نقل وحرکت میں مشغول رہیں، یہاں تک کہ پورا لشکر اندلس کے اس ساحل پر اُتر گیا جو آج بھی جبل الطارق کے نام سے مشہور ہے۔

روایات میں ہے کہ کشتی پر سوار ہونے کے کچھ دیر بعد طارق بن زیاد کی آنکھ لگ گئی تو انہیں خواب میں نبی کریم سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدینؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ تلواروں اور تیروں سے مسلح سمندر پر چلتے ہوئے تشریف لارہے ہیں۔ جب آپؐ طارق بن زیاد کے پاس سے گذرے تو آپؐ نے فرمایا: "طارق! بڑھتے چلے جاؤ"۔ اس کے بعد طارق نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے مقدس رفقاء اُن سے آگے نکل کر اندلس میں داخل ہوگئے۔

طارق کی آنکھ کھلی تو وہ بیحد مسرور تھے۔ انہیں فتح اندلس کی خوشخبری مل چکی تھی۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو یہ بشارت سُنائی اور اس بشارت نے مجاہدین کے حوصلوں کو کہیں سے کہیں پہنچادیا۔[1]

مشہور ہے کہ جب اندلس کے کنارے پورا لشکر جمع ہوگیا تو طارق نے اپنی کشتیاں جلادیں،

---

[1] نفح الطیب ص ۲۳۹ ج ۱

تاکہ فتح یا موت کے سوا لشکر کے سامنے کوئی تیسرا راستہ باقی نہ رہے۔ اسی واقعے کو اقبالؔ نے اپنے مشہور قطعے میں نظم کیا ہے ؎

طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت — گفتند، کارِ تو بہ نگاہِ خرد خطاست

دوریم از سوادِ وطن، باز چوں رسیم؟ — ترکِ سبب ز روئے شریعت کجا رواست؟

خندید و دستِ خویش بہ شمشیر بُرد و گفت

ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

طارقؔ نے جب اندلسؔ کے ساحل پر اپنی کشتی جلائی۔

تو لوگوں نے کہا کہ عقل کی نگاہ میں تمہارا یہ عمل بڑی غلطی ہے

ہم لوگ اپنے وطن کی سرزمین سے دُور ہیں، اب وطن کیسے پہنچیں گے؟

اسباب کو ترک کرنا تو شریعت کی رُو سے بھی جائز نہیں۔

طارقؔ جواب میں مُسکرایا، اور اپنا ہاتھ تلوار تک لیجا کر بولا:

"ہر ملک ہمارا ملک ہے، اس لئے کہ وہ ہمارے خدا کا ملک ہے"[1]

طارقؔ اپنے لشکر کے ساتھ جبل الفتح یا جبل الطارق کے ساحل پر اُترا تھا، اور وہاں سے "الجزیرۃ الخضراء" تک کی ساحلی پٹی اس نے کسی مؤثر مزاحمت کے بغیر فتح کرلی، لیکن اس کے بعد راڈرکؔ نے اپنے مشہور سپہ سالار تدمیر (Theodomir) کو ایک بڑا لشکر دیکر طارقؔ کے مقابلے کیلئے بھیج دیا، مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ اس کی پے درپے کئی لڑائیاں ہوئیں، اور وہ ہر لڑائی میں شکست سے دوچار ہوا، یہاں تک کہ متواتر ہزیمتوں کے نتیجے میں اس کا حوصلہ جواب دے گیا، اور اس نے اپنے بادشاہ راڈرکؔ کو لکھا کہ جس قوم سے میرا سابقہ پڑا ہے وہ خدا جانے آسمان سے ٹپکی ہے، یا زمین سے اُبلی ہے، اب اس کا مقابلہ اس کے سوا ممکن نہیں کہ آپ بذاتِ خود ایک لشکرِ جرار لیکر اس کی مزاحمت کریں۔ راڈرکؔ نے اپنے سپہ سالار کا پیغام پاکر ستر ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک عظیم الشان لشکر تیار کیا، اور طارقؔ کی طرف روانہ ہوگیا۔

---

[1] کشتیاں جلانے کا یہ واقعہ آج کے دَور کی تاریخوں میں تو بہت مشہور ہے، لیکن فتح اندلسؔ کے ابتدائی مستند مآخذ میں مجھے اس کا ذکر نہیں ملا۔ اندلسؔ کے سب سے بڑے مؤرخ مقّری نے فتح اندلسؔ کا واقعہ بہت تفصیل سے بیان کیا ہے، لیکن اس میں کشتیاں جلانے کا ذکر نہیں ہے، ابن خلدون اور طبریؒ وغیرہ نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ طارق بن زیاد کا جو خُطبہ آگے آرہا ہے، اس کے ابتدائی الفاظ سے مؤرخین نے یہ نتیجہ نکالا ہو کہ طارقؔ اپنی کشتیاں جلا چکا تھا۔ واللہ اعلم۔

دُوسری طرف موسیٰ بن نصیر نے بھی طارق بن زیاد کی مدد کیلئے پانچ ہزار سپاہیوں کی کمک روانہ کی جس کے پہنچنے کے بعد طارق بن زیاد کا لشکر بارہ ہزار پر مشتمل ہو گیا۔ غالباً جولین کے رفقاء اسکے علاوہ تھے۔

وادیٔ لکہ کے مقام پر یہ دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو طارق نے وہ تاریخی خطبہ دیا جو آج بھی عربی ادب اور تاریخ کی کتابوں میں تواتر سے نقل ہوتا چلا آرہا ہے، اور جس کے ایک ایک لفظ سے طارق کے عزم، حوصلہ اور سرفروشی کے جذبات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس خطبے کے چند جملے یہ ہیں:۔

> لوگو![1] تمھارے لئے بھاگنے کی جگہ ہی کہاں ہے؟ تمھارے پیچھے سمندر ہے، اور آگے دشمن، لہٰذا خدا کی قسم! تمھارے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ تم خدا کے ساتھ کئے ہوئے عہد میں سچے اُترو اور صبر سے کام لو۔ یاد رکھو، کہ اس جزیرے میں تم اُن یتیموں سے زیادہ بے آسرا ہو جو کسی کنجوس کے دسترخوان پر بیٹھے ہوں۔ دُشمن

---

[1] اصل عربی الفاظ یہ ہیں: "أيها الناس: أين المفرّ؟ البحر من ورائكم، والعدو أمامكم، وليس لكم والله الا الصدق والصبر واعلموا أنكم فى هذه الجزيرة أضيع من الأيتام فى مأدبة اللئام، وقد استقبلكم عدوكم بجيشه وأسلحته، وأقواته موفورة وانتم لا وزر لكم الا سيوفكم، ولا أقوات لكم إلا ما تستخلصونه من أيدى عدوكم، وإن امتدت بكم الأيام على افتقاركم ولم تنجزوا لكم أمرا ذهبت ريحكم، وتعوضت القلوب من رعبها منكم الجراءة عليكم، فادفعوا عن أنفسكم خذلان هذه العاقبة من أمركم بمناجزة هذا الطاغية، فقد ألقت به إليكم مدينته الحصينة، وإن انتهاز الفرصة فيه لممكن إن سمحتم لأنفسكم بالموت، وإنى لم أحذركم أمرا أنا منه بنجوة، ولا حملتكم على خُطّة أرخص متاع فيها النفوس إلا وأنا أبدأ بنفسى، واعلموا أنكم إن صبرتم على الأشق قليلا، استمتعتم بالأرفه الألذ طويلا، .... والله تعالى ولى إنجادكم على ما يكون لكم ذكرا فى الدارين، واعلموا أنى أول مجيب إلى ما دعوتكم إليه، وأنى عند ملتقى الجمعين حامل بنفسى على طاغية القوم لذريق فقاتله إن شاء الله تعالى، فاحملوا معى، فإن هلكت بعده فقد كفيتكم أمره، ولم يعوزكم بطل عاقل تسندون أموركم إليه، وإن هلكت قبل وصولى إليه فاخلفونى فى عزيمتى هذه، واحملوا بأنفسكم عليه، واكتفوا الهم من فتح هذه الجزيرة بقتله، فإنهم بعده يخذلون۔

(نفح الطيب للمقرى ص ۲۲۵ و ۲۲۶ ج ۱)

تمھارے مقابلے کیلئے اپنا پورا لاؤ لشکر اور اسلحہ لیکر آیا ہے، اس کے پاس وافر مقدار میں غذائی سامان بھی ہے، اور تمہارے لئے تمہاری تلواروں کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں، تمہارے پاس کوئی غذائی سامان اس کے سوا نہیں جو تم اپنے دُشمن سے چھین کر حاصل کر سکو۔ اگر زیادہ وقت اس حالت میں گذر گیا کہ تم فقر و فاقہ کی حالت میں رہے اور کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کرسکے تو تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور ابھی تک تمہارا جو رعب دلوں پر چھایا ہوا ہے اس کے بدلے دشمن کے دل میں تمہارے خلاف جرأت و جسارت پیدا ہو جائے گی، لہٰذا اس بُرے انجام کو اپنے آپ سے دُور کرنے کیلئے ایک ہی راستہ ہے، اور وہ یہ کہ تم پوری ثابت قدمی سے اس سرکش بادشاہ کا مقابلہ کرو، جو اس کے محفوظ شہر نے تمہارے سامنے لاکر ڈال دیا ہے۔ اگر تم اپنے آپ کو موت کیلئے تیار کر لو تو اس نادر موقع سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے۔ اور میں نے تمہیں کسی ایسے انجام سے نہیں ڈرایا جس سے میں خود بچا ہوا ہوں، نہ میں تمہیں کسی ایسے کام پر آمادہ کر رہا ہوں جس میں سب سے سستی پونجی انسان کی جان ہوتی ہے، اور جس کا آغاز میں خود اپنے آپ سے نہ کر رہا ہوں۔ یاد رکھو! اگر آج کی مشقت پر تم نے صبر کر لیا، تو طویل مدت تک لذت و راحت سے لطف اندوز ہو گے .....

اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت تمہارے ساتھ ہے، تمہارا یہ عمل دُنیا و آخرت دونوں میں تمہاری یادگار رہے گا۔ اور یاد رکھو کہ جس بات کی دعوت میں تمہیں دے رہا ہوں اس پر پہلا لبیک کہنے والا میں خود ہوں، جب دونوں لشکر ٹکرائیں گے تو میرا عزم یہ ہے کہ میرا حملہ اس قوم کے سرکش ترین فرد راڈرک پر ہو گا، اور ان شاء اللہ میں اپنے ہاتھ سے اسے قتل کروں گا۔ تم میرے ساتھ حملہ کرو، اگر میں راڈرک کی ہلاکت کے بعد ہلاک ہوا تو راڈرک کے فرض سے تمہیں سبکدوش کر چکا ہوں گا، اور تم میں ایسے بہادر اور ذی عقل افراد کی کمی نہیں جن کو تم اپنی سربراہی سونپ سکو، اور اگر میں راڈرک تک پہنچنے سے پہلے ہی کام آگیا تو میرے اس عزم کی تکمیل میں میری نیابت کرنا تمہارا فرض ہو گا، تم سب مل کر اس پر حملہ جاری رکھنا، اور پورے جزیرے کی فتح کا غم کھانے کے بجائے اس ایک شخص کے قتل کی ذمہ داری قبول کر لینا تمہارے لئے کافی ہو گا کیونکہ دُشمن اس کے بعد ہمت ہار بیٹھے گا۔

طارق کے رفقاء پہلے ہی جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت سے سرشار تھے۔ طارق کے اس خطبے نے

ان کے اندر ایک نئی روح پھونک دی، وہ وادی لکہ کے معرکے میں اپنے جسم و جان کو فراموش کر کے لڑے۔ یہ جنگ متواتر آٹھ دن تک جاری رہی، کُشتوں کے پُشتے لگ گئے، اور بالآخر فتح و نصرت مسلمانوں کے حصے میں آئی۔ راڈرک کا لشکر بُری طرح پسپا ہوا، اور خود راڈرک بھی اسی تاریخی معرکے میں کام آیا، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے خود طارق بن زیاد نے قتل کیا، اور بعض روایتوں میں ہے کہ اس کا خالی گھوڑا دریا کے کنارے پایا گیا جس سے یہ اندازہ لگایا گیا کہ وہ دریا میں ڈوب کر ہلاک ہوا۔

وادی لکہ کی یہ فتح جو ایک ہفتے کی صبر آزما جنگ کے بعد مسلمانوں کو حاصل ہوئی، یورپ میں مُسلمانوں کے داخلے کی تمہید تھی جس نے پورے اندلس کے دروازے اُن کیلئے کھول دیئے۔ اس کے بعد مسلمان اندلس کے تمام شہر فتح کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے اس وقت کے دارالحکومت طلیطلہ (Toledo) کو بھی فتح کر لیا، اس کے بعد بھی ان کی پیش قدمی جاری رہی، یہاں تک کہ وہ فرانس کے اندر جا کر کوہ پیری نیز کے دامن تک پہنچ گئے۔

اندلس کی فتح کے بعد مسلمانوں نے یہاں آٹھ سو سال تک حکومت کی جس کے دوران انہوں نے علم و دانش اور تہذیب و تمدن کے منفرد چراغ روشن کئے، اور اس خطے کو دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ علاقہ بنایا۔

انہی تاریخی واقعات کی بزمِ تصور میں سجائے ہوئے ہم نے غرناطہ جانے والی سڑک پر اپنا سفر جاری رکھا، آسمان پر ہلکا ہلکا ابر تھا، اور سڑک چھوٹی چھوٹی سرسبز پہاڑیوں کے درمیان بل کھاتی ہوئی گذر رہی تھی، پہاڑیوں کی سطح پر اور درمیانی وادیوں میں زیتون کے حسین درخت بڑے توازن اور تناسب کے ساتھ حدِ نظر تک پھیلے ہوئے تھے، تصور کی نگاہیں پہاڑوں اور وادیوں کے اس نشیب و فراز میں مجاہدینِ اسلام کے اولوالعزم قافلوں کو اُترتا چڑھتا دیکھ رہی تھیں، آج ہماری کار ایک صاف شفاف سڑک پر تیرتی جارہی تھی جس کے راستے میں کوئی پہاڑ حائل ہوا تو اس نے اس کا سینہ چیر کر سُرنگ کا راستہ پیدا کر لیا، لیکن تیرہ سو سال پہلے صحرا نشینوں کے یہ قافلے ان دُشوار گذار راستوں کو اپنے عزم و ہمت سے قطع کرتے ہوئے پیری نیز کے دامن تک پہنچ گئے تھے، اقبال نے طارق بن زیاد کی زبان سے انہی خدا مست مجاہدوں کیلئے کہا تھا کہ ؎

یہ غازی، یہ تیرے پُراسرار بندے — جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دونیم اِن کی ٹھوکر سے صحرا و دریا — سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چھوٹی چھوٹی بستیاں، اور بعض متوسط حجم کے شہر بھی گذرتے رہے، ان بستیوں کے ناموں سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ کسی عربی نام کی بگڑی ہوئی شکل ہے، مثلاً اشبیلا نسبتہً بڑا شہر

سامنے آیا تو اس کا نام کاسا برمجہ (Casa lermaja) تھا۔ کاسا در اصل عربی لفظ "قصر" کی بگڑی ہوئی شکل ہے، لہٰذا صاف معلوم ہو گیا کہ اس بستی کا نام قصر برمجہ رہا ہوگا۔ یہ سارا علاقہ چونکہ پہاڑی علاقہ ہے، اس لئے ہر بستی میں کوئی نہ کوئی پہاڑ ضرور ہوتا، اور ہر پہاڑ کی چوٹی پر ایک نمایاں کلیسا نظر آتا جس کا مینار اندلس کی مسجدوں کے مینار سے مشابہ ہوتا۔ سقوطِ اندلس کے کچھ عرصہ کے بعد چونکہ ملک کی تمام مسجدوں کو کلیسا میں تبدیل کرنے کا حکم دیدیا گیا تھا، اس لئے غالب گمان یہی ہے کہ پہاڑوں کی چوٹی پر بنے ہوئے یہ کلیسا جن میں ہر جگہ ایک ہی طرز کا مینار نظر آتا ہے، کبھی مسجدیں رہے ہوں گے، اور ان سے پانچ وقت کی اذانوں کی آواز گونجتی ہوگی۔ لیکن آج یہ مینار زبانِ حال سے یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ

زمزموں سے جس کے لذت گیر اب تک گوش ہے
کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کیلئے خاموش ہے

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

مبلغ کو مایوس ہو کر

اُسے چھوڑنا نہیں چاہئے!

معارف القرآن ٭ سورۃ الزخرف ٭ آیت ا سے ۸

خلاصہ تفسیر

حٰـمٓ (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں) قسم (ہے) اس کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ (اے عرب) تم (آسانی سے) سمجھ لو اور وہ ہمارے پاس لوحِ محفوظ میں بڑے رُتبہ کی اور حکمت کی کتاب ہے (پس جب وہ سمجھنے میں آسان اور خاص ہماری زیرِ حفاظت اور اعجاز کی وجہ سے بڑے رُتبے والی اور حکیمانہ مضامین پر مشتمل ہے تو ایسی کتاب کو ضرور ماننا چاہیئے لیکن اگر تم نہ مانو تب بھی ہم اپنی حکمت کے مقتضا سے اس کا بھیجنا اور تم کو اس کا مخاطب بنانا نہ چھوڑیں گے چنانچہ ارشاد ہے کہ) کیا ہم تم سے اس نصیحت (نامہ) کو (محض) اس بات پر ہٹالیں گے کہ تم حد (اطاعت) سے گزرنے والے ہو (اور اس کو نہیں مانتے، یعنی خواہ تم مانو یا نہ مانو مگر نصیحت تو برابر کی جائے گی اور یہ فیض کامل ہو کر رہے گا تاکہ اس سے مومنین کو نفع ہو اور تم پر حجت تام ہو) اور ہم پہلے لوگوں میں (باوجود اُن کی تکذیب کے) بہت سے نبی بھیجتے رہے ہیں (یہ نہیں ہوا کہ ان کے جھٹلانے کی وجہ سے سلسلۂ نبوت بند ہو جاتا) اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم، جیسے ہم نے اُن کی تکذیب کی پروا نہیں کی، اسی طرح آپ بھی کچھ پروا اور

غم نہ کیجئے کیونکہ) اُن (پہلے) لوگوں کا بھی یہی حال تھا کہ اُن) کے پاس کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ انہوں نے استہزاء نہ کیا ہو، پھر ہم نے اُن لوگوں کو جو کہ ان (اہل مکہ) سے زیادہ زور آور تھے (تکذیب اور استہزاء کی سزا میں) غارت کر ڈالا، اور پہلے لوگوں کی یہ حالت ہو چکی ہے (پس نہ آپ غم کریں کہ ان کا بھی ایسا ہی حال ہوتا ہے (جیسا کہ بدر وغیرہ میں ہوا) اور نہ یہ بے فکر ہوں کہ نمونہ موجود ہے۔

معارف و مسائل

یہ سورت مکی ہے، البتہ حضرت مقاتل کا قول ہے کہ آیت واسئل من ارسلنا مدنی ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ سورت معراج کے وقت آسمان پر نازل ہوئی (روح المعانی) واللہ اعلم۔

وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ (قسم ہے کتاب واضح کی) اس سے مراد قرآن کریم ہے، اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کی قسم کھاتے ہیں تو عموماً وہ چیز بعد کے دعوے کی دلیل ہوا کرتی ہے، یہاں قرآن کریم کی قسم کھا کر اس طرف اشارہ فرما دیا گیا ہے۔ قرآن بذات خود اپنے اعجاز کی وجہ سے اپنی حقانیت کی دلیل ہے اور قرآن کو واضح کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے وعظ و نصیحت پر مشتمل مضامین بآسانی سمجھ میں آجاتے ہیں لیکن جہاں تک اس سے احکام شرعیہ کے استنباط کا تعلق ہے وہ بلاشبہ ایک مشکل کام ہے اجتہاد کی پوری صلاحیت کے بغیر انجام نہیں دیا جا سکتا چنانچہ دوسری جگہ یہ بات واضح کر دی گئی ہے۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنایا ہے، تو پس کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟) اس میں فرما دیا گیا ہے کہ قرآن نصیحت آموزی کے لئے آسان ہے لہذا اس سے اجتہاد و استنباط کا آسان ہونا لازم نہیں آتا بلکہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ اس کام کے لئے متعلقہ علوم میں پوری مہارت شرط ہے۔

مبلغ کو مایوس ہو کر نہیں بیٹھنا چاہیئے اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ (کیا ہم تم سے اس نصیحت کو اس بات پر ہٹالیں گے کہ تم حد سے گزرنے والے ہو؟) مطلب یہ ہے کہ تم اپنی سرکشی اور نافرمانی میں خواہ کتنے حد سے گزر جاؤ لیکن ہم تمہیں قرآن کے ذریعے نصیحت کرنا نہیں چھوڑیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص دعوت و تبلیغ کا کام کرتا ہو اُسے ہر شخص کے پاس پیغام حق لے کر جانا چاہیئے اور کسی گروہ یا جماعت کو تبلیغ کرنا محض اس بناء پر نہیں چھوڑنا چاہیئے کہ وہ تو انتہا درجے کے ملحد بے دین یا فاسق و فاجر ہیں انہیں کیا تبلیغ کی جائے۔

ضبط و ترتیب، مولوی محمد عمران اشرف عثمانی
درجۂ تخصص دارالعلوم کراچی

دورِ حاضر میں طلبہ اور دینی مدارس کا کردار

جامعہ دارالعلوم کراچی کے صدر محترم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے یہ تقریر رجب ۱۴۱۰ھ کو اختتام بخاری شریف کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے فرمائی، جس کو ہم نے بذریعہ ٹیپ ریکارڈر نقل کیا اور تصحیح کے بعد پیش خدمت ہے۔

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد!

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین، ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون ۔

نعمتِ عظمیٰ: حضراتِ علماء کرام، بزرگانِ محترم، برادرانِ عزیز اور ہونہار طلبہ! ہم اللہ رب العالمین کا شکر کس زبان سے ادا کریں، کیسے کریں اور کر بھی کیسے سکتے ہیں کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے ہمارے کسی فضل و استحقاق کے بغیر چھپر پھاڑ کر یہ لازوال نعمت عطا فرمادی ہے۔ کہ تاجدار دو عالم سرورِ کونین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب، آپ کا لایا ہوا دین، آپ کے اقوال و افعال اور آپ کی احادیث کی خدمت میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو لگادیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم

اور احسان ہے کہ اس نے ہماری ناقص کوششیں اور ناقص محنتیں اپنے دین مبین کی حفاظت کے لئے، تشریح کے لئے اور اس کی سربلندی کے لئے لگا دیں ورنہ ان کو ہماری ضرورت نہیں ہے، اللہ رب العالمین کو کسی کی ضرورت نہیں۔ ان کو نہ مدرس کی ضرورت ہے نہ عالم کی نہ طالب علم کی۔ یہ محض ان کا کرم ہے، جس کو وہ نوازنا چاہتے ہیں اپنے کام لگا دیتے ہیں اور ہمارا منہ نہیں کہ ہم یہ بات کہہ سکیں، لیکن جب خیال آتا ہے۔ حوصلہ بڑھتا ہے

طلبہ کا مجاہدہ: یہاں جو طلبہ بیٹھے ہوئے ہیں کوئی افریقہ سے آیا ہے اور آٹھ آٹھ سال سے اپنے گھر کی صورت نہیں دیکھی، کوئی ملائشیا سے آیا ہے کوئی ایران سے اور کوئی افغانستان سے، کوئی تھائی لینڈ سے، اور سری لنکا سے یہاں آیا ہوا ہے اور پاکستان کے بھی تمام صوبوں کے طلبہ یہاں زیر تعلیم ہیں ان میں بھی بہت سے طلبہ ایسے ہیں کہ ان کے پاس اتنے وسائل نہیں کہ سال کے ختم پر ان کی دو مہینے کی جو تعطیلات ہوتی ہیں ان میں وہ اپنے ماں باپ سے ملنے گھر چلے جائیں، یہاں پاکستان کے ایسے لڑکے بھی ہیں جو تین تین، چار چار سال سے چھٹیوں میں گھر نہیں گئے، اللہ کے فضل وکرم سے ان میں سے کوئی جسمانی طور پر معذور نہیں ہے، کوئی پاگل اور مجنوں نہیں ہے۔ ہاتھ پاؤں ان کے بھی ہمارے جیسے صحیح وسالم ہیں، اللہ کے فضل وکرم سے دماغی صلاحیتیں بھی ہمارے سے کم نہیں، ان کو کسی نے مجبور نہیں کیا کہ اگر تم مدرسوں میں نہیں رہو گے تو تم کو روٹی نہیں ملے گی، ان کو وہاں بھی ملتی تھی، بچھو اور سانپوں کو پروردگار جب رزق دیتا ہے تو کیا ان کو نہیں مل رہا ہوگا، یہ محض اللہ رب العالمین کے دین کی سربلندی کے لئے اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر اپنے راحت وآرام کو تج کر مسافرت کی زندگی گذار رہے ہیں۔ اللہ کے بھروسے پر نکلے ہیں، زندگی صرف طالب علمی ہی کے زمانے کے لئے وقف نہیں کی انہوں نے پوری زندگی اللہ کے لئے لگا دی ہے، یہ عہد کر کے دارالعلوم میں آتے ہیں کہ ان کا مرنا اور جینا اسی دینی کام میں ہوگا۔ قال اللہ قال الرسول میں ہوگا، دین کی سربلندی اور اس کی خدمت کے لئے آئے ہیں۔ لوگوں کو ان کی قدر وقیمت کا اندازہ نہیں، ان کو حقیر سمجھتے ہیں، بعض لوگ کہتے بھی ہیں کہ تم زکوۃ وخیرات کی روٹیوں پر ان کو پلتے ہو، یقین کیجئے اس وقت اگر پوری دنیا کے اندر کہیں دینی زندگی کے آثار نظر آتے ہیں تو یہ ان مدرسوں کے طفیل ہیں، یہ ان ٹوٹے پھوٹے طلبہ کی محنتوں کی برکات ہیں۔ دیوبند کا فیض کہاں کہاں پھیلا؟ دیوبند میں بھی یہی ٹوٹے پھوٹے

طلبہ پہونچے تھے ۔ یہی فاقہ مست تھے ، یہی بوریہ نشین تھے ، دیوبند سے علم دین کی نہریں نکلیں ، چشمے پھوٹے اور علوم ظاہر و باطن کے دریا بہنے لگے ، پوری دنیا میں اس وقت جہاں دین کا ٹھوس کام ہو رہا ہے ۔ آپ دیکھیں گے کہ ان سب کی بنیاد یہی مدرسے ہیں ۔

تبلیغی جماعت : ——— اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس وقت دنیا میں سب سے بڑے پیمانے پر اجتماعی نوعیت کا دین کے پھیلانے کا جو کام ہو رہا ہے وہ تبلیغی جماعت کے ذریعہ ہو رہا ہے ۔ کفرستانوں میں برفستانوں میں ، دور افتادہ جزیروں میں تپتے ہوئے صحراؤں میں اور ان ممالک میں جہاں اللہ کا نام لینا جرم تھا وہاں یہ جماعت اللہ کا پیغام پہونچا رہی ہے ، لیکن کبھی آپ نے یہ سوچا کہ اس جماعت کا سوتہ اور منبع کہاں ہے ؟ یہ جماعت بھی دیوبند اور سہارنپور کے بوریہ نشینوں کا فیض ہے ۔

دارالعلوم دیوبند : یہ دیوبند کے اسی قصبہ سے نکلی جہاں سے حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا قافلہ جب جہاد کے لئے گذر رہا تھا تو دیوبند کی بستی میں دارالعلوم دیوبند کا نام و نشان بھی نہیں تھا ، حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں سے گذرتے ہوئے فرمایا تھا کہ مجھے یہاں علوم نبوّت کی خوشبو آرہی ہے یہ اسی دیوبند کے سوتے ہیں ۔ اُسی دیوبند کے منبع سے نکلنے والی نہریں اور دریا ہیں جن سے پورا عالم اسلام سیراب ہو رہا ہے ۔

جہاد افغانستان : ——— افغانستان کے جہاد نے پورے عالم اسلام کے اندر دینی زندگی کی ایک نئی روح پھونکی ہے ، مسلمانوں کو جہاد کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا ہے ، جس کے احکام و فضائل سے قرآن کریم قیامت تک گونجتا رہے گا ، اس جہاد کو فراموش کر دیا گیا تھا ۔ سیرت طیبہ کی مدنی زندگی جس جہاد کے کٹھن مراحل سے بھری ہوئی ہے ۔ اُس جہاد فی سبیل اللہ کو بھلا دیا گیا تھا ۔ تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو پیٹ پر دو دو پتھر باندھ کر غزوۂ خندق کے موقعہ پر خندق کھود رہے تھے وہ تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو معرکۂ احد میں دو زرہیں پہن کر تشریف لائے تھے ان تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ جہاد کو عملاً گم کر دیا گیا تھا ، پوری دنیا میں کہیں اللہ کے نام پر جہاد نہیں ہو رہا تھا کہیں قومیت کے نام پر جنگیں تھیں ، کہیں ہوسِ ملک گیری کے لئے ، اللہ کے دین کی حفاظت کے لئے اور اس کی سربلندی کے لئے اللہ کے دشمنوں سے

جنگ کا سلسلہ تقریباً بند پڑا تھا، پوری دنیا میں عرصۂ دراز سے یہ سنت مردہ ہوتی جارہی تھی ان مجاہدین افغانستان نے قرآن کا وہ بھولا ہوا سبق یاد دلایا، امتِ مسلمہ کو بتلایا کہ تمہارے پاس سب کچھ ہے مگر جس دین کو تم پکارتے ہو، اس دین کا ایک بہت بڑا حصہ تم نے چھوڑا ہوا ہے۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جہاد افغانستان نے پورے عالم اسلام کو جھنجھوڑ ڈالا اس جہاد افغانستان کا منبع کہاں ہے؟ اس کے سوتے کہاں سے نکلے ہیں؟ یہ چشمہ کہاں سے پھوٹا ہے؟ اس سوال کا جواب بھی اس کے سوا نہیں کہ اس جہاد کا منبع بھی دینی مدرسے ہیں۔ افغانستان کے محاذوں پر جاکر آپ دیکھئے جن لوگوں نے جاکر دیکھا ہے وہ جانتے ہیں، میں نے بھی ایک محاذ دیکھا ہے اور تقریباً ہر محاذ کے مجاہدین سے ملا ہوں، دسمبر ۱۹۷۹ء میں جب روسی فوجیں افغانستان میں داخل ہوئیں۔ تو ان کے ٹینکوں کے آگے سینہ تان کر جو مسلمان سب سے پہلے نکلے وہ مدرسوں کے طلبہ، اساتذہ اور علماء تھے خانقاہوں کے درویش، مسجدوں کے امام اور مؤذن تھے جن کو آج یہ طعنہ دیا جاتا ہے کہ یہ دینی مدرسوں میں قوم کی زکوٰۃ اور صدقات کی روٹیوں اور ٹکڑوں پر پلے ہیں، یہی زکوٰۃ اور صدقات پر پلنے والے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ حوصلہ عطا کیا کہ روس جیسی طاقت جس سے بڑی بڑی مسلم طاقتیں لرزہ براندام تھیں یہ اُس روس کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ ان کا ایک ہی مقصد تھا اور وہ یہ کہ اس سرزمین پر اللہ تعالیٰ کے نام کو مٹنے نہیں دیں گے، ناپاک کفر کو اس ملک میں برداشت نہیں کریں گے، مرجائیں گے۔ بیوی بچوں کو قربان کردیں گے۔ گھروں اور بستیوں کی بربادی برداشت کرلیں گے۔ لیکن اس سرزمین پر کفر کے اقتدار کو برداشت نہیں کریں گے، یہ کونسا طبقہ تھا؟ یہ طبقہ ان ہی دینی مدرسوں سے نکلنے والوں کا تھا، یہی زکوٰۃ وخیرات کی روٹیوں پر پلنے والا طبقہ تھا، کسی مالدار طبقہ نے یہ جرأت نہیں کی ان ٹینکوں کے مقابلہ پر آجائے لیکن ان زکوٰۃ وخیرات کے ٹکڑوں پر پلنے والوں نے پندرہ لاکھ شہیدوں کا خون دیا ہے اس صدی میں اس قربانی کی مثال نہیں ملے گی اور اس افغانستان کے جہاد میں پاکستان سے جو مجاہدین گئے آپ نے کبھی جاکر دیکھا کہ وہ کون گئے؟ کہاں سے گئے؟ اسکولوں یا کالجوں سے نہیں گئے تجارتی اداروں سے نہیں گئے، سیاسی جماعتوں سے نہیں گئے الاماشاءاللہ نکلے تو یہی مدرسوں کے نہتے طلبہ نکلے یا ان دینی مدرسوں سے وابستہ جوان نکلے۔

دینی مدارس میں دو مہینے کی سالانہ تعطیلات ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم

سے ان تعطیلات میں ایک بڑی تعداد تبلیغ میں نکل جاتی ہے، ایک بڑی تعداد دس سال سے جہاد میں جاری ہے، یہ بیٹھے ہیں وہ مجاہدین! آپ ان مجاہد طلبہ کے جاہ و جلال کا مظاہرہ افغانستان میں جاکر دیکھیں، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یہی طلبہ جن کو لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کو کچھ نہیں آتا لیکن ان کو دیکھو کہ یہ آج روسیوں سے چھینے ہوئے جدید ترین اسلحہ کو نہ صرف استعمال کر رہے ہیں بلکہ ان کی ٹیکنک سے واقف ہو چکے ہیں، پانچ منٹ میں پوری توپ کو کھول کر اس کا ایک ایک حصہ الگ کر دیتے ہیں، پانچ منٹ میں اسی توپ کے تمام اجزاء جوڑ کر موروچوں میں نصب کر دیتے ہیں، یہ سب کچھ محض اللہ کی رضاء کے لئے ہے، جہاد افغانستان میں مجاہدین کی حکومت قائم ہو جائے تو دنیا میں ان کو کچھ نہیں ملے گا اور خدا نخواستہ مجاہدین کی حکومت قائم نہ ہو سکی تو ان کا کوئی نقصان نہیں ہو گا، کیونکہ ان کا وطن افغانستان نہیں ہے لیکن پھر بھی یہ اپنی جان کی بازیاں لگا رہے ہیں، دارالعلوم کراچی کے چھ طلبہ اب تک اس جہاد میں شہید ہو چکے ہیں۔

کہنے کا منشا یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند اور اس سے پھوٹنے والی شاخیں دین کے وہ قلعے ہیں کہ امت پر جب کبھی کوئی برا وقت آیا ہے۔ ملت کے فدائی یہیں سے نکلے، دین کے پروانے یہیں سے نکلے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہر قسم کی قربانیاں دیں۔

فکری محاذ پر:۔ ہمارے ملک کے اندر الحاد اور دہریت کا طوفان آرہا ہے سوشلزم کا سیلاب ہے، نیشنلزم کا طوفان ہے، مادی فلسفے کی آندھیاں ہیں۔ سرمایہ داری اور جاگیرداری نظاموں کی چکیوں میں عوام پس رہے ہیں جدید نظریات کے شبہے اور اعتراضات ہیں ان کا جواب بھی کون دے رہا ہے؟ یہی مدرسوں کے بوریہ نشین علماء اس محاذ پر بھی بحمداللہ ڈٹے ہوئے ہیں، جدید سے جدید فلسفے کا، جدید سے جدید نظریات کا، الجھے ہوئے جدید معاشی مسائل کا جواب الحمدللہ تحقیق و فتویٰ اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ دیا جا رہا ہے۔ مصر جہاں جامعہ الازہر ہے، سعودی عرب جہاں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ ہے اور دوسرے عرب ممالک تک ہمارے علماء کی کتابیں بہت کم پہنچی ہیں۔ ہمارے یہاں کتابت اور طباعت کا اونچا معیار نہیں جس کے وہ عادی ہیں، ہمارے یہاں معمولی کاغذ پر معمولی کتابت اور طباعت سے کتابیں چھپ جاتی ہیں لیکن ان میں سے جو کتابیں عرب علماء کے پاس پہونچی ہیں انہیں پڑھ کر وہ حیرت میں پڑ جاتے ہیں کہ پاکستان اور ہندوستان میں علوم نبوت علم حدیث، علم تفسیر علم کلام، فقہ اور اصول فقہ کا کتنا عظیم کام اس صدی کے اندر ہوا ہے اور کیسے کیسے محقق اور باعمل علماء پیدا ہوئے ہیں یہ

سب ان ٹوٹے پھوٹے مدرسوں کی بدولت ہے ۔

دینی مدارس کا ماحول، دیکھئے ! پورے ملک میں فساد برپا ہے ماں باپ اپنے بچوں کو اسکول کالج یا یونیورسٹی میں بھیجنے کے بعد جب تک بچہ گھر واپس نہیں آجاتا لرزہ براندام رہتے ہیں کیونکہ سرکاری تعلیمی اداروں میں کلاشنکوفیں چل رہی ہیں تعلیم و تربیت کا فقدان تو ہے ہی امن وامان بھی عنقا ہو گیا ۔ لیکن یہ اللہ کا کرم ہے ہمارے بزرگوں کی دعائیں ہیں ان کی محنتیں اور برکتیں ہیں کہ انہوں نے ان مدرسوں کے اندر ماحول بنایا ہے ، جو آپ دیکھ رہے ہیں دوسرے اوقات میں بھی کبھی آنا ہو تو الحمدللہ یہ محسوس ہوگا کہ آپ کسی دوسری دنیا میں آئے ہیں یہ وہ دنیا نہیں جو شہر کی دنیا ہے ، نہ یہاں کرفیو ہے نہ فساد ہے ۔ نہ جھگڑا ہے ۔ نہ لہو ولعب اللہ کے فضل وکرم سے بڑی حد تک پاکیزہ ماحول نظر آتا ہے قال اللہ ، وقال الرسول کی فضا ہے یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے بزرگوں نے بہت قربانیاں دے کر یہ ادارے قائم کئے ہیں

دارالعلوم کراچی کا قیام، پاکستان جب بنا تھا یہاں کی پوری سرزمین دینی مدرسوں سے تقریباً خالی تھی ۔ کراچی میں صرف ایک پرانا مدرسہ کھڈہ تھا وہ بھی غیر معروف سا تھا اور دارالعلوم دیوبند ہی کی ایک شاخ کی حیثیت رکھتا تھا ۔

اس کے علاوہ دور دور تک دوسرا کوئی مدرسہ نہیں تھا سنہ ۷۰ھ یعنی ۱۹۵۰ء میں دارالعلوم کراچی قائم ہوا ۔ جس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ مسجد باب الاسلام آرام باغ کے قریب حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی رہائش تھی اس مسجد کے اندر ایک کمرہ لوگوں نے تعمیر کروا دیا کہ یہاں حضرت مفتی صاحب فتویٰ لکھا کریں کیونکہ کوئی قابل ذکر دارالافتاء پورے ملک میں نہیں تھا ، وہاں والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ لکھنا شروع کیا ، مسجد میں حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ ہی کے زیر انتظام قرآن شریف کا مکتب بھی تھا جس میں بحمداللہ اسی سال میرا حفظ قرآن مکمل ہوا تھا ، اس مدرسہ کا نام حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے " مدرسہ امدادیہ " رکھا تھا اور فارسی کی ابتدائی تعلیم کا انتظام بھی فرمایا تھا یہ بھی اللہ کا کرم ہے کہ میں اور میرے قابل قدر بھائی مولانا محمد تقی عثمانی اور مولوی اشرف علی صاحب ہم تینوں اس مدرسہ میں درجۂ فارسی کے سب سے پہلے طالب علم تھے چند ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے نانکواڑہ کی عمارت دلوادی جہاں دارالعلوم کراچی قائم ہوا ، نانکواڑہ میں سکھوں کا ایک پرانا سا اسکول تھا قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کافی عرصہ اس میں آباد رہے اس کے بعد وہ خالی ہو گیا محکمۂ تعلیم سے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کوشش کرکے دارالعلوم کے لئے وہ عمارت حاصل کرلی اس عمارت میں کئی دروازے کھڑکی میں کواڑ تک نہیں تھے کیونکہ

کواڑوں کو لوگوں نے نکال نکال کر استعمال کر لیا تھا گرد و غبار اور مکڑیوں کے جالوں سے پوری عمارت بھری پڑی تھی حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے بہنوئی مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک چیز لے کر وہاں پہنچ گئے اس وقت وہی کام دے سکتی تھی۔ وہ تھی جھاڑو اور جھاڑو دے کر اتنی جگہ بنائی کہ وہاں نماز پڑھ سکیں دونوں نے ملکر صفائی کی اس طرح یہ دارالعلوم قائم ہوا، نہ کوئی چندہ تھا نہ عہدے تھے نہ عمارتیں تھیں نہ منصوبے تھے، آج سے پورے چالیس سال پہلے اس بے سرو سامانی میں یہ دارالعلوم قائم ہوا، چھوٹے چھوٹے تنگ کمرے تھے۔ درسگاہوں میں ہی طلبہ کی رہائش تھی ملک میں دینی مدرسے نہیں تھے اور پھر قائم کرنے والے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے پورے ملک کے طلبہ کا ہجوم ہوا، دیکھتے ہی دیکھتے عمارت ناکافی ہوگئی۔

دارالعلوم کی کورنگی میں منتقلی: ——— پھر اللہ تعالیٰ نے افریقہ کے ایک صاحب خیر کے دل میں ڈالا جہاں اس وقت آپ بیٹھے ہیں (کورنگی میں) ان کی یہاں پچیس چھبیس ایکڑ زمین تھی یہ سارا ریگستان تھا اور کراچی کی آبادی سے آٹھ میل دور تھا یہاں نہ کوئی سڑک تھی بجلی نہ پانی نہ ڈاکخانہ نہ کوئی آبادی اور نہ کوئی زندگی کے آثار، میٹھا پانی تک نہیں تھا قریب میں "شرانی گوٹھ" کے نام سے ایک گاؤں ضرور تھا باقی سب ریگستان تھا افریقہ کے ان صاحب نے زمین دی کہ آپ دارالعلوم یہاں بنائیں حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں ایسے ریگستان میں جہاں پینے کا پانی تک نہیں ہے طلبہ اور اساتذہ کو کیسے لیجا کر رکھوں گا ان کو کھانا کہاں سے کھلاؤں گا؟ کیسے پڑھاؤں گا؟ حاجی عبداللطیف باوانی مرحوم جو باوانی خاندان کے بڑے بزرگ تھے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بہت عقیدت اور محبت رکھتے تھے انہوں نے کہا: حضرت آپ ہمت کیجئے تعمیر کا سارا کام میں کروں گا آپ حامی بھر لیجئے اور زمین لے لیجئے میں خود نقشہ بنواؤں گا، خود ٹھیکیدار سے کام کراؤں گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے دل میں سچا جذبہ ڈالا تھا اللہ کے اس نیک بندے نے اسی ہزار روپے میں یہ تین عمارتیں جنمیں اب تک کام چل رہا ہے تعمیر کرائیں، درسگاہوں کی عمارت دس کمروں پر مشتمل اور دو عمارتیں طلبہ کی رہائش کے لئے تیس کمروں پر مشتمل تھیں، تعمیر کے کام میں ہمارے بہنوئی حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہت محنت کی، وہ دارالعلوم کے سب سے پہلے ناظم تھے۔ انہوں نے انتہائی جانفشانی سے

شہر میں بھی دارالعلوم کے نظام کو سنبھالے رکھا اور یہاں کی تعمیرات بھی اپنی نگرانی میں کروائیں
خلاصہ یہ کہ ۱۹۵۵ء میں ہم ریگستان میں آکر آباد ہوگئے - اس وقت ہماری ضابطہ کی طالبعلمی
کے دو سال باقی تھے - ریگستان کا یہ حال تھا کہ ریت اتنی اڑتی تھی کہ دو پہر میں بھی چند گز
آگے کی چیز مشکل سے نظر آتی تھی - اللہ تعالیٰ کا کرم ہے - اللہ تعالیٰ ناشکری سے بچائے
اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے توفیق دی اور اُن مراحل کو آسان فرمادیا -

اس وقت بس یہی تین عمارتیں تھیں، اُس وقت یہاں مسجد بھی نہیں تھی، پانچوں
وقت کی نماز بڑی درسگاہ میں ہوتی تھی، اب مسئلہ یہ تھا کہ اساتذہ کہاں رہیں؟ اسی زمین میں
دو تین پرانے کمرے بنا دیئے گئے کہ دو چار اساتذہ بال بچوں سمیت یہاں گذارہ کرسکیں، اللہ
تعالیٰ نے لوگوں کی توجہات اِس طرف مبذول فرمادیا، رفتہ رفتہ اس مسجد کی تعمیر ہوئی،
مجھے یاد ہے کہ جب اس مسجد کی تعمیر ہوئی تو اس مسجد کی پوری چھت اور بیموں کو مزدوروں نے
نہیں بلکہ دارالعلوم کے اساتذہ، طلباء منتظمین اور کارکنان نے اپنے ہاتھوں سے بھرا تھا اُس
دن دارالعلوم میں چھٹی تھی، دن بھر سب نے یہی کام کیا -

الحمدللہ! یہ اس اخلاص اور بزرگوں کی محنتوں کی برکات ہیں جو آپ مشاہدہ کررہے
ہیں، الحمدللہ! بعد میں لائبریری کی عظیم تعمیر مکمل ہوئی اور اساتذہ کے مکانات زیرِ تکمیل ہیں۔

موجودہ صورتحال : ——— اب صورتحال یہ ہے کہ وہ تینوں عمارتیں جو اُس وقت
اسّی ہزار روپے میں بنی تھیں اُن کی چھت کا سریہ گل گیا ہے، دو عمارتوں کا تو حال یہ ہے کہ
ہر برسات میں پانی چھت سے ٹپکتا اور کمروں کے اندر بہتا ہے، طلبہ کے لئے جائے پناہ نہیں
ہوتی درسگاہوں کی عمارت میں گنجائش اُس وقت اتنی رکھی گئی تھی کہ اس میں صرف چھوٹی
چھوٹی دس درسگاہیں تھیں اور ہر درسگاہ میں صرف دس گیارہ طالب علم ہوتے تھے اب
ایک ایک درسگاہ میں سو سو طالبعلم ہیں ایک ایک جماعت کو کئی کئی فریقوں میں تقسیم کرنا
پڑتا ہے، سیکشن قائم کرنے پڑتے ہیں لہٰذا اب ہمیں فوری طور پر چالیس سے زیادہ درسگاہوں
کی ضرورت ہے دارالعلوم میں ابھی تک کوئی دارالحدیث نہیں بنا ہے، ایک تنگ کمرے
کے اندر بمشکل درس حدیث ہو رہا ہے، جبکہ اللہ کے فضل وکرم سے اس سال ہمارے یہاں
دورۂ حدیث سے ۸۸ طلباء فارغ التحصیل ہوئے ہیں -

درس نظامی کیساتھ جدید تعلیم : نصاب کا مسئلہ بڑا پیچیدہ تھا۔ نئے حالات کیمطابق درس نظامی کے اندر بہت سے اضافوں کی

ضرورت تھی اسی وجہ سے طلبہ دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد بہت سے ایسے کام نہیں کر پاتے تھے جن کا تعلق جدید علوم وفنون سے تھا اور جن کی اس زمانے میں ضرورت ہے۔

الحمدللہ دار العلوم کے پچھلے بیس سال اس حالت میں گزرے ہیں کہ یہاں اساتذہ اور ماہرین تعلیم اس کے نصاب میں مسلسل ضروری ترمیمیں، اضافے اور غور وفکر کر رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اب درس نظامی کا ہمارا نصاب سولہ سال کا ہے جس میں پرائمری اور میٹرک تک کے تمام سرکاری مضامین کو الحمدللہ اعلیٰ معیار کیساتھ، دینی تعلیم وتربیت کے ساتھ قرآن کریم حفظ و ناظرہ سے اور درس نظامی سے مربوط کر دیا گیا ہے اور میٹرک تک کے تمام جدید علوم وفنون کو لازم کر دیا گیا ہے، یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے اور ملک کی متعدد یونیورسٹیوں نے دار العلوم کراچی کی سند کو ڈبل ایم اے، یعنی ایم اے عربی اور ایم اے اسلامیات کے مساوی قرار دیا ہوا ہے۔

الحمدللہ ہمارے یہاں میٹرک تک کی تعلیم بھی اچھے سے اچھے ثانوی اور سیکنڈری اسکول کے معیار سے کسی طرح کم نہیں ہے، اس کے علاوہ دار العلوم میں ایک الگ شعبہ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے اُن طلبہ کے لئے قائم فرمایا تھا جو دین کی اعلیٰ تعلیم کے بجائے جدید علوم ہی کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر ساتھ ہی دین کی ضروری تعلیم وتربیت بھی دینی ماحول میں رہ کر حاصل کرنا چاہتے ہیں اب سے تقریباً چھبیس سال پہلے یہ شعبہ مدرسہ ابتدائیہ (پرائمری اسکول) کے نام سے قائم ہوا جو بحمداللہ اب میٹرک تک پہونچ گیا ہے، آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ یہ شعبہ محکمۂ تعلیم سے منظور شدہ ہے اور پانچویں جماعت کا امتحان پرائمری بورڈ سے دلوایا جاتا ہے اور میٹرک کا امتحان بھی اس سال پہلی مرتبہ سیکنڈری بورڈ سے ہوگا، اب تک کا ریکارڈ یہ ہے کہ بورڈ سے کسی امتحان میں ۲۶ سال کے عرصہ میں ہمارا کوئی طالب علم ناکام نہیں ہوا، یہ ایسا ریکارڈ ہے کہ شاید کراچی میں کسی اسکول کو حاصل نہیں ہوا ہو۔ جبکہ ان مضامین کے بارے میں ہم محسوس کرتے ہیں کہ یہ ہمارا میدان نہیں۔ لیکن ہم نے تو اس میدان کو بھی دین ہی کا میدان سمجھ کر اختیار کیا ہے۔

درسِ نظامی میں منطق اور فلسفہ بھی پڑھایا جاتا ہے، منطق بھی یونانی فلاسفروں کی بنائی ہوئی ہے جو کافر تھے، فلسفہ بھی انہی کا ہے لیکن درسِ نظامی میں یہ دونوں مضامین زمانۂ قدیم سے داخل نصاب ہیں۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبند میں قطبی کا سبق پڑھا رہے تھے جو منطق کی مشہور کتاب ہے۔ ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ حضرت! میرے فلاں عزیز کا انتقال ہو گیا ہے۔ ایصالِ ثواب کرا دیجئے، فرمایا کہ

بیٹھے رہو، منطق کا سبق ہوتا رہا، جب سبق ختم ہوگیا تو طلبہ سے کہا کہ دیکھو بھائی ہم جس نیت سے بخاری شریف پڑھاتے ہیں اسی نیت سے قطبی بھی پڑھاتے ہیں، مقصد دونوں کا ایک ہے دین کی حفاظت سربلندی اور اشاعت، اس واسطے ہم نے قطبی میں جو سبق پڑھا ہے اس کا ثواب بھی بخاری سے کم نہیں ہے اسی کا ایصال ثواب کردو کہ یا اللہ ہم نے جو سبق پڑھا ہے اس کا ثواب میت کو پہونچا دیجئے - یہ مولانا محمد یعقوب صاحب وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں میں نے اپنے بزرگوں سے سنا کہ جب وہ درس دیتے تھے تو ان کے ذکر قلبی کی آواز طلبہ سنتے تھے، یہ اولیاء اللہ تھے ہم ان کے نام لیوا ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی نقالی ہی کی توفیق عطا فرمائے -

حسن نیت اور تلافیٔ مافات

آج ہمارا تعلیمی سال اللہ نے پورا کیا ہے دار العلوم میں ہر تعلیمی سال کے اختتام پر ختم بخاری شریف کے موقع پر سادہ سا جلسہ ہوتا ہے، ایسا ہی ایک جلسہ ہر تعلیمی سال کے آغاز پر بھی ہوا کرتا ہے جسمیں بخاری شریف کی سب سے پہلی حدیث انما الاعمال بالنیات کا درس ہوتا ہے حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ آغاز سال پر اس حدیث کے درس میں فرمایا کرتے تھے کہ اپنی نیتوں کو درست کرلو کہ سال بھر میں ہمارا جو کام ہو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، حسن نیت پر سارے اعمال کا مدار ہے -

ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کام کے شروع میں اگر آدمی اہتمام کرکے نیت کو خالص کرلے پھر کام کے دوران اگر وسوسے بھی آئیں نیت میں کچھ فتور بھی شامل ہوجائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جو نیت پہلے کی تھی وہ ختم نہیں ہوتی جب تک اس کے خلاف نیت نہ کی جائے وہی نیت چلتی رہتی ہے تو شروع میں نیت کو ٹھیک کرنے کی کوشش کیجاتی ہے -

اور جب سال ختم ہوتا تھا تو حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ دو باتیں فرمایا کرتے تھے وہ میں اپنے طلبہ کو خاص طور پر پہنچانا چاہتا ہوں، ہم دار العلوم کے خدام ہیں ہمیں اپنے آپ سے بھی خطاب کرنا ہے کیونکہ اس وقت یہاں منتظمین بھی ہیں، کارکنان بھی، فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی کارخانہ یا تجارتی ادارے کا مالی سال ختم ہوتا ہے تو وہ اپنا چٹھا تیار کرتا ہے کہ ہم نے کیا کمایا کیا کھویا ؟ پچھلے سال کے مقابلے میں ہمارے کاروبار نے ترقی کی یا تنزل کیا ؟ تنزل ہوا تو کیوں ہوا ؟ ترقی ہوئی تو اس کے اسباب کیا تھے ؟ ہمارے لئے بھی آج کا دن اپنا جائزہ لینے کا دن ہے میں طلبہ سے، اساتذہ سے اور دار العلوم کے سب خدام سے اور

سب سے پہلے اپنے سے یہ خطاب کرتا ہوں کہ سوچو! سال بھر کے اندر ہم نے کیا کمایا ہے؟ اور خدا نخواستہ اگر کچھ کھویا ہے تو کیا کھویا ہے؟ اس کی تلافی کی کوشش کی جائے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی جائے کہ یا اللہ! اس کام کے دوران ہم سے جو کوتاہیاں ہوئی ہیں، طلبہ سے پڑھنے میں، اساتذہ سے پڑھانے میں، منتظمین سے انتظام میں، کارکنان سے اپنے کاموں میں ظاہری ہوں یا باطنی، عمل میں ہوئی ہوں یا نیت میں، یا اللہ آپ تو ایسے داتا ہیں کہ ہماری کوتاہیوں کے باوجود بھی نواز سکتے ہیں ہماری ان کوتاہیوں کو معاف فرما کر ہمیں پورا ثواب عطا فرمادیجئے ایک بات والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمایا کرتے تھے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے کہ ہم نے اس سال کے دوران کتنی کوتاہیاں کی ہیں؟ اور ان کی تلافی کی کوشش میں لگ جائیں اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ یا اللہ! ہماری جو کوتاہیاں آپ کے علم میں ہیں ہمیں نہیں معلوم، یا اللہ آپ اُن کو بھی معاف فرمادیجئے

اور دوسری بات یہ ہے آئندہ کے لئے کوشش اور دُعا کرنی ہے کہ یا اللہ! ہماری بقیہ زندگی بھی اس کام میں لگا دیجئے، حضرت والد ماجد ختم قرآن کے موقعہ پر فرمایا کرتے تھے کہ لوگ ختم قرآن کے موقعہ پر خوشی مناتے ہیں اور منانی بھی چاہیئے صحابہ کرامؓ بھی مناتے تھے، مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم ختم کرنے کی چیز نہیں، ہمیں قرآن مجید میں اپنی زندگی ختم کرنا ہے یہی وجہ ہے کہ جب تراویح میں قرآن شریف ختم ہوتا ہے تو پڑھنے والا انیسویں رکعت میں تو قل اعوذ برب الناس پر قرآن شریف ختم کرکے اگلی ہی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور الٓمٓ سے یفلحون تک پڑھ کر بیسویں رکعت پوری کرتا اور سلام پھیرتا ہے جب تک دوسرا ختم شروع نہیں کرتا سلام نہیں پھیرتا۔

میں اپنے عزیز طلبہ سے محترم اساتذۂ کرام سے اور سب حاضرین سے درخواست کرتا ہوں کہ ختم بخاری اس سال کا ضرور ہوا ہے، لیکن ہمیں یہ کام ختم کرنا نہیں ہے، جب تک زندہ ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ یا اللہ ہمیں اسی کام میں لگائے رکھیے،

وفاق المدارس : الحمدللہ پاکستان کے تمام دینی مدارس نے مل کر ایک تنظیم وفاق المدارس کے نام سے قائم کی ہوئی ہے جس کے تحت تمام مدارس کے سالانہ امتحان مشترک ہوتا ہے جس میں پاکستان بھر کے تمام دینی مدارس کے کئی کئی ہزار طلبہ شریک ہوتے ہیں اور ملک گیر پیمانہ پر اس کے ماشاء اللہ بہترین انتظامات ہیں وفاق المدارس کے زیر انتظام امتحانی مراکز پورے ملک میں قائم کئے جاتے ہیں پانچ مرحلوں کے امتحانات وفاق المدارس

لیتا ہے باقی درجات کے امتحانات مدارس خود لیتے ہیں۔ ہر مرحلہ میں تین پوزیشنیں ہوتی ہیں پہلی، دوسری، تیسری، جس طالبعلم نے پاکستان بھر میں اپنے مرحلہ کے سب سے زیادہ نمبر حاصل کئے اس نے پہلی پوزیشن حاصل کی جس نے اس سے کم نمبر حاصل کئے اس نے دوسری پوزیشن حاصل کی۔ اور جس نے اس سے کم نمبر حاصل کئے اس نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔

دارالعلوم کے طلبہ پر اللہ کا خاص کرم

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر آپ کو ایک خوشخبری بھی سناؤں محض تحدیث نعمت کے طور عرض کرتا ہوں فخر و مباہات سے ڈر لگتا ہے، اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے، طلبہ کو تو معلوم ہی معاونین کو بھی معلوم ہو جائے تو ان کو خوشی ہوگی، وہ یہ کہ وفاق المدارس کے تحت پانچ درجات کے جو سالانہ امتحانات ہوتے ہیں اور ہر درجہ کے امتحان میں ۳ پوزیشنیں ہوتی ہیں تو کل پوزیشنیں ۱۵ ہوئیں۔ پچھلے سال ان ۱۵ پوزیشنوں میں سے نو پوزیشنیں دارالعلوم کے طلبہ نے حاصل کی ہیں، یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے ہم شکر بھی ادا نہیں کر سکتے، محض پروردگار کا کرم ہے ہمارے بزرگوں کے اخلاص اور دعاؤں کی اور ہمارے طلبہ اساتذہ کے اخلاص اور محنتوں کی برکات ہیں، اللہ تعالیٰ ان طلبہ کو اور زیادہ ترقیاں عطا فرمائے۔

جدید تعمیرات جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ طلبہ کی رہائش گاہ کی دو عمارتیں اور یہ درسگاہ کی عمارت ۳۵ سال پرانی ہیں ان کی عمر بھی ختم ہوگئی، کمروں کے سائز بھی اتنے چھوٹے ہیں کہ پورے طلبہ درسگاہ میں نہیں سماتے، باہر تک بیٹھے رہتے ہیں اور رہائش گاہ کے اندر طلبہ کو اس قدر پریشانی ہے کہ رہائشی کمروں میں گنجائش صرف دو سو طلبہ کی ہے جبکہ اس وقت تقریباً ساڑھے سات سو طلبہ رہائش پذیر ہیں۔ چنانچہ درسگاہوں میں کھانا کھانے کے ہال میں اور باورچی خانہ تک میں طلبہ کو رہائش کرنی پڑتی ہے اور طلبہ کی جتنی تعداد داخلہ کے لئے آتی ہے۔ اس میں سے تقریباً نصف کو واپس جانا پڑتا ہے کیونکہ ہمارے پاس سب کو داخل کرنے کے لئے رہائش گاہیں نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملک کے نامور آرکیٹکٹ کرنل حسین صاحب دارالعلوم کی تعمیراتی منصوبہ بندی کا کام بڑے ذوق اور شوق سے کر رہے ہیں۔ پانچ سال کی طویل محنت اور غور و فکر کے بعد پوری زمین کا ماسٹر پلان الحمدللہ تیار ہوگیا ہے اس وقت دارالعلوم کے پاس الحمدللہ تقریباً ستر ایکڑ زمین ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر اس ستر ایکڑ کی زمین کی

ہم نے موجودہ اور آئندہ ضرورتوں کو سامنے رکھکر منصوبہ بندی کی ہے ہم تو نہیں ہوں گے لیکن ہمارے بعد کی نسلیں انشاء اللہ اس مبارک زمین پر دین کی شمعِ ہدایت کو روشن رکھ سکیں گی آئندہ سو سال کی منصوبہ بندی کی ہے۔ اسی کی بنیاد پر ہم نے یہ ماسٹر پلان بنایا ہے ہم تو پتہ نہیں کتنے دن کے مہمان ہیں لیکن آئندہ نسلوں کے لئے ہم جو کچھ سوچ سکتے تھے اس کے مطابق منصوبہ بندی کی ہے۔

فوری ضرورت تین عمارتوں کی ہے۔ طلبہ کی رہائش گاہیں، درسگاہیں مع دار الحدیث اور ایک مسجد۔ یہ موجودہ مسجد اتنی چھوٹی پڑ گئی ہے کہ جمعہ کے دن مسجد کے باہر لان اور باغات ماشاء اللہ نمازیوں سے بھر جاتے ہیں شامیانے لگانے پر ہر ماہ کئی ہزار روپے خرچ ہو جاتے ہیں جبکہ مسجد کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔ الحمد للہ ان تینوں عمارتوں کے نقشے بن گئے ہیں گذشتہ سال اسی ختم بخاری کے موقعہ پر دار الطلبہ (ہوسٹل) کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا۔ اب ہم انشاء اللہ دعا سے فارغ ہو کر اُدھر چلیں گے اس پورے ایک سال کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں اور محض اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہم اس میں کامیاب ہو گئے کہ جتنی جتنی رقم اللہ تعالیٰ بھیجتا رہا، اس سے ہم دار الطلبہ کی بنیادیں بھرتے رہے۔ امید ہے کہ اس رمضان تک انشاء اللہ بنیادیں بھر جائیں گی آگے کا بھی اللہ مالک ہے۔

آج درسگاہوں کی ایک عمارت کا سنگِ بنیاد انشاء اللہ آپ حضرات کے مبارک ہاتھوں سے رکھا جائے گا۔ سب حضرات تھوڑا تھوڑا مسالہ اس میں ڈالیں اور دُعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے۔

دار الحدیث اور نئی جامع مسجد کے نقشے بھی تیار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال رہی تو انشاء اللہ ان کی تعمیر کا بھی جلد آغاز کیا جائے گا۔

اب حضرت ناظم صاحب مدظلہم دعا کروائیں گے، ختم بخاری کے موقعہ پر اپنے تمام بزرگانِ دیوبند کا معمول تھا کہ دعا کا اہتمام فرماتے تھے اور تجربہ یہ ہے کہ اس موقعہ پر دُعا زیادہ قبول ہوتی ہے لہٰذا اپنے لئے پاکستان کے لئے اور پورے عالم اسلام کے لئے دُعا کیجئے۔ دار العلوم کے لئے خاص طور سے دُعا فرمائیں۔ واللہ المستعان۔

ماہِ مبارک کا مختصر دستور العمل

- صدقِ دل سے تمام گناہوں سے توبہ کریں اور کثرت سے توبہ و استغفار کا اہتمام رکھیں۔
- روزہ رکھنے کا پورا اہتمام کریں۔ بلاعذر شرعی ترک نہ کریں۔
- روزے میں آنکھ، کان، ناک، زبان، دل و دماغ اور تمام اعضاء کو ہر گناہ سے بہت ہی بچائیں۔
- نماز باجماعت کا مکمل اہتمام کریں۔
- اشراق، چاشت، اوابین اور تہجد کے نوافل کا معمول بنالیں۔
- مستند دینی کتابوں اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مطالعہ کریں۔
- تلاوت قرآنِ کریم اور ذکر و تسبیح کا جس قدر زیادہ ہوسکے معمول بنائیں۔
- بُرے خیالات سے اپنے ذہن کو حتی الوسع فارغ رکھ کر اپنی اصلاح کی طرف زیادہ توجہ دیں اور آخرت کی فکر پیدا کریں۔
- چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے لا الٰہ الا اللہ کا ورد رکھیں۔
- جنّت الفردوس طلب کریں اور عذاب دوزخ سے پناہ مانگیں۔

DADABHOY SILK MILLS LTD

City Office, Jehangir Kothari Building, M. A. Jinnah Road Karachi-01[illegible]7
Regd. Office & Mills: E/I, S. I. T. E. Karachi-16[illegible]3
Postal Address: G. P. O. Box 354 Karachi-0127 Pakistan

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ

کے

حضرت مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب۔ کراچی

(دوسری اور آخری قسط)

سیاسی جد و جہد اور تزکیۂ اخلاق:

لہٰذا اس جد وجہد کی شرطِ اول یہ ہے کہ انسان کے اعمال و اخلاق کا تزکیہ ہو چکا ہو۔ اور اس کے جذبات وخیالات اعتدال کے سانچے میں ڈھل چکے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تیئس سالہ عہدِ نبوت میں ابتدائی تیرہ سال اس طرح گذرے ہیں کہ نہ ان میں کوئی جہاد ہے نہ حکومت وریاست ہے، نہ کسی قسم کی سیاسی جدوجہد ہے کوئی اگر مارتا اور اذیتیں دیتا ہے تو اس کے جواب میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں اور اس کے بجائے مسلسل صبر کی تعلیم وتلقین کی جارہی ہے۔ یہ تیرہ سال تعلیم وتربیت اور تزکیہ اخلاق کے سال ہیں مجاہداتِ نفس کی اسی بھٹی سے گذرنے کے بعد جب صحابہ کرام رضی کے اخلاق واعمال صیقل ہو چکے تو اس کے بعد مدنی زندگی میں حکومت و سیاست اور جہاد وقتال کا سلسلہ شروع ہوا ہے؛ حضرت حکیم الامت قدس سرہ اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"دیکھئے اس کی تائید میں ایک باریک نکتہ بتلاتا ہوں وہ یہ کہ مسلمانوں کو مکہ میں رہتے ہوئے قتال کی اجازت نہیں ہوئی مدینہ میں پہنچ کر اجازت ہوئی اس کی کیا وجہ ہے ظاہر میں یہ سمجھے

ہیں کہ قلتِ جماعت وقلتِ اسباب اس کا سبب تھا یہ خلاف تحقیق ہے، کیونکہ مدینہ ہی میں پہنچ کر کیا جماعت بڑھ گئی تھی! کفار کا پھر بھی غلبہ تھا۔ مدینہ کی تمام جماعت تمام عرب کے مقابلے میں کیا چیز تھی؟ بلکہ اگر یہ دیکھا جائے کہ تمام کفارِ عالم کے مقابلے میں یہ اجازت ہوئی تھی، تب تو مدینہ کیا سارا عرب بھی قلیل تھا اسی طرح مدینہ پہنچ کر سامان میں کیا زیادتی ہوگئی تھی؟ ..... نصوص سے خود معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کفار کے مقابلے میں اکثر مواقع میں اس قدر کم ہوتی تھی کہ ملائکہ کا جوڑ لگایا جاتا تھا .... اور یہ صورت ملائکہ کی مکہ میں رہتے ہوئے بھی ممکن تھی مگر پھر بھی اس صورت کو اختیار کر کے وہاں اجازت نہ دی گئی تو اس کی کوئی اور وجہ بتلانی چاہیئے۔ اہل ظاہر اس کی شافی وجہ نہیں بتلا سکتے۔

محققین نے فرمایا ہے کہ اصل بات یہ تھی کہ مکہ میں عام مسلمانوں کے اندر اخلاقِ حمیدہ اخلاص وصبر وتقویٰ کامل طور پر راسخ نہ ہوئے تھے اس وقت اگر اجازت قتال کی ہو جاتی تو سارا مقابلہ جوشِ غضب اور انتقام للنفس کے لئے ہوتا محض اخلاص اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے نہ ہوتا۔ اور اس حالت میں وہ اس قابل نہ ہوتے کہ ملائکہ کی جماعت سے ان کی امداد کی جاوے۔ اور حمایت الٰہی ان کے شاملِ حال ہو۔ چنانچہ آیت مذکورہ میں بَلٰٓی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا کی شرط بتلا رہی ہے کہ حمایت الٰہی اسی وقت متوجہ ہوتی ہے جبکہ مسلمان صبر وتقویٰ میں راسخ ہوں (اور تقویٰ کے معنی ہیں: احتراز عما نہی اللہ عنہ و امتثال ما أمر بہ جس میں اخلاص اور احتراز عن الریاء و عن شائبۃ النفس بھی داخل ہے) اور مدینہ میں پہنچ کر یہ اخلاق راسخ ہو گئے تھے۔ مہاجرین کو مکہ میں رہنے کی حالت میں کفار کی ایذاء پر صبر کرنے سے نفس کی مقاومت سہل ہو گئی نیز قوت غضب نفسانی ضعیف بلکہ زائل ہو گئی تھی۔

پھر ہجرت کے وقت جب انہوں نے اپنے وطن، اہل وعیال اور مال و دولت سب پہ خاک ڈال دی تو ان کی محبت

الٰہی کا مل ہو گئی، اور محبت دنیا ان کے قلب سے بالکل نکل گئی۔
انصارِ مدینہ نے مہاجرین کے ساتھ جو سلوک کیا اس سے ان کے
قلوب بھی محبت الٰہی سے لبریز اور محبت دنیا سے پاک ہو گئے تھے چنانچہ
انصار نے خوشی خوشی ان حضرات کو اپنے مکانات و اموال میں
شریک کرنا چاہا۔۔۔

غرض واقعۂ ہجرت سے مہاجرین و انصار دونوں کا امتحان ہو
گیا جس میں وہ کامل اترے۔ اس کے بعد ان کو اجازت قتال دی
گئی کہ اب جو کچھ کریں گے محض خدا کیلئے کریں گے۔ جوشِ غضب اور
خواہش انتقام اور شفاء غیظِ نفس کے لئے کچھ نہ کریں گے اس وقت
یہ اس قابل ہوں گے کہ حمایتِ الٰہی ان کا ساتھ دے اور ملائکہ
رحمت ان کی مدد کریں۔ چنانچہ حضرات صحابہؓ کے واقعات اس
پر شاہد ہیں کہ وہ جو کچھ کرتے تھے خدا کے لئے کرتے تھے حتیٰ کہ
مثنوی میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ایک یہودی کو
معرکۂ قتال میں پچھاڑا اور ذبح کا ارادہ کیا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ اُس کم بخت
نے آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوکا۔ اب چاہیئے تھا کہ حضرت علیؓ اس
کو فوراً ہی ذبح کر ڈالتے، مگر تھوکنے کے بعد آپ فوراً اس کے
سینے پر سے کھڑے ہو گئے۔ اور فوراً اسے چھوڑ دیا۔ وہ یہودی بڑا
متعجب ہوا۔۔۔ اور حضرت علیؓ سے اس کی وجہ پوچھی کہ اگر آپ نے
مجھ کو کافر سمجھ کر قتل کرنا چاہا تھا تو تھوکنے پر کیوں رہا کر دیا؟۔۔۔
حضرت علی نے فرمایا کہ۔۔۔ بات یہ ہے کہ اول جب میں نے تجھ
پر حملہ کیا تو اس وقت بجز رضائے حق کے مجھے کچھ مطلوب نہ تھا۔
اور جب تو نے مجھ پر تھوکا تو مجھے غصہ اور جوشِ انتقام پیدا ہوا
میں نے دیکھا کہ اب میرا تجھے قتل کرنا محض خدا کے لئے نہ ہو گا۔
بلکہ اس میں نفس کی بھی آمیزش ہو گی۔ اور میں نے نہ چاہا کہ نفس کے
لئے کام کر کے اپنے عمل کو ضائع کروں اس لئے تجھے رہا کر دیا۔
وہ یہودی فوراً مسلمان ہو گیا اور سمجھ گیا کہ واقعی یہی مذہب حق ہے
جس میں شرک سے اس درجہ نفرت دلائی گئی ہے کہ کوئی کام نفس
کے لئے نہ کرو۔ بلکہ محض خدا کے لئے ہر کام کرو۔ دوستی اور دشمنی میں
بھی نفس کی آمیزش سے روکا گیا ہے۔

اب ہماری یہ حالت ہے کہ جو لوگ خدمت اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں ان میں اکثر وہ لوگ ہیں جو نفس کے واسطے کام کرتے ہیں۔ اپنے ذرا ذرا سے کارناموں کو اچھالتے اور اخباروں میں شائع کرتے ہیں۔ احکام الٰہی کی پروا نہیں کرتے بس ان کا مقصود یہ ہے کہ کام ہونا چاہیئے خواہ شریعت کے موافق ہو یا مخالف، چندہ میں جائز و ناجائز کی پروا نہیں صرف میں حلال وحرام کا خیال نہیں، پھر حمایت الٰہی ان کے ساتھ کیوں کر ہو؟ بلکہ اب تو یہ کہا جاتا ہے کہ میاں مسئلہ مسائل کو ابھی رہنے دو اس وقت تو کام کرنا چاہیئے۔ بعد کو مسئلے مسائل دیکھے جائیں گے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ان صاحبوں کو یہ خبر نہیں کہ مسئلے مسائل کے بغیر تو مسلمان کو نہ دنیوی فلاح ہو سکتی ہے، نہ اخروی اور سب سے زیادہ اخلاص نیت کی ضرورت ہے جس کا یہاں صفر ہے،، (وعظ محاسن اسلام در مجموعہ مواعظ "محاسن اسلام" ص ۲۸۰۔ مطبوعہ ملتان)

یہ بات مشہور ہے کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ ہندوستان کی سیاسی تحریکات سے الگ رہے اس دوران ایک صاحب نے یہ پیش کش کی کہ ہم آپ کو امیر المؤمنین بناتے ہیں، آپ ہماری قیادت فرمایئے حضرتؒ نے اس پیش کش کا مناسب جواب دینے کے بعد فرمایا:

"سب سے پہلے جو امیر المومنین ہو کر حکم دوں گا وہ یہ ہو گا کہ دس برس تک سب تحریک اور شور و غل بند۔ ان دس سالوں میں مسلمانوں کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی۔ جب یہ قابلِ اطمینان ہو جائیں گے تب مناسب حکم دوں گا،،

(الافاضات الیومیہ ص ۶۷، ج ۳، ملفوظ ۸۹ ملقب بہ تدبیر الفلاح)

اگر ہم حقیقت پسندی سے اپنے حالات کا جائزہ لیں تو محسوس ہوگا کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے اس اقتباس میں ہماری دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہے اگر آج ہماری سیاست کی بیل منڈھے نہیں چڑھتی تو اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم مکی زندگی کے تیرہ سال کی چھلانگ لگا کر پہلے ہی دن سے مدنی زندگی کا آغاز کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اپنے آپ کو اخلاقی اور روحانی اعتبار سے تیار کیے بغیر اصلاحِ قوم کا جھنڈا لے کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ جھنڈا کس طرح پکڑا جاتا ہے، نہ ہمیں یہ پتہ ہے کہ اسے سربلند رکھنے کا طریقہ کیا ہے، نہ ہم نے اس کام کی کوئی تربیت حاصل کی ہے،

بس ہم نے کچھ دوسری قوموں کو اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے جھنڈا اٹھائے دیکھا تو انہی کی نقالی ہم نے بھی شروع کر دی نتیجہ یہ ہے کہ ہماری سیاسی جدوجہد کا طرز و انداز، ہماری کوششوں کا طریق کار، ہماری اختیار کی ہوئی تدبیریں، تقریباً سب کی سب وہ ہیں جو ہم نے دوسری قوموں سے مستعار لی ہیں اور ان کو شریعت کی کسوٹی پر صحیح طریقے سے پرکھے بغیر اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جب ان طریقوں سے لادینی سیاست کامیاب ہو سکتی ہے تو اسلامی سیاست بھی کامیابی کی منزل تک پہنچ سکتی ہے۔ حالانکہ اسلامی سیاست کو لادینی سیاست پر قیاس کرنا کھجور کے درخت کو کنویں پر قیاس کرنے کے مترادف ہے۔

سیاسی تدابیر:

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے اپنی تصانیف اور مواعظ و ملفوظات میں جا بجا اس بات پر زور دیا ہے کہ اسلامی سیاست میں صرف مقصد کا نیک اور شریعت کے موافق ہونا کافی نہیں، بلکہ اس کے طریق کار اور اس کی تدبیروں کا بھی شریعت کے مطابق ہونا ضروری ہے اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ شریعت کے احکام کو پس پشت ڈال کر اور ان کی خلاف ورزی کر کر کے اسلامی حکومت قائم کرے گا تو وہ ایسی خام خیالی میں مبتلا ہے جس کا نتیجہ محرومی کے سوا کچھ نہیں۔ اگر اس طرح کوئی حکومت اس نے قائم کر بھی لی تو وہ اسلامی حکومت نہیں، بلکہ اسلامی حکومت کا دھوکہ ہوگا۔

جیسا کہ مقالے کے آغاز میں حضرت حکیم الامت رح کا ارشاد ناقابل انکار دلائل کے ساتھ گذر چکا ہے۔ اسلام میں سیاست و حکومت بذاتِ خود مقصود نہیں، بلکہ اصل شریعت کی اتباع اور اس کے نتیجے میں رضائے حق کا حصول ہے، اس لئے یہ طرزِ فکر اسلام کے دائرے میں نہیں کھپ سکتا کہ اسلامی حکومت کے قیام کی جدوجہد میں اسلام کے بعض احکام کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے جزوی شرعی احکام کی قربانی دی جا سکتی ہے۔ اس کے بجائے مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ شرعی احکام کے دائرے میں رہ کر جدوجہد کرے اور ہر ایسے طریقے سے اجتناب کرے جس سے کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔ مسلمان کی کامیابی کا راز اتباع شریعت میں ہے اس پر نصرت الٰہی کا وعدہ ہے لہٰذا کامیابی ان شاء اللہ اسی طریقے سے ہوگی۔ اور اگر بالفرض کسی شرعی حکم کی پابندی کی وجہ سے ظاہراً کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکے، تب بھی مسلمان اس سے زیادہ کا مکلف نہیں نہ اس ناکامی کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے اور نہ اس سے آخرت میں اس ناکامی پر باز پرس ہوگی۔ اگر وہ شریعت کے فرمان پر چل رہا ہے تو وہ پوری طرح کامیاب اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر کا مستحق ہے اور اس کی زندگی

کا اصل مقصد پوری طرح حاصل ہے۔

لہٰذا سیاسی جدوجہد کے دوران ہر تدبیر اور ہر اقدام کے بارے میں یہ اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ وہ شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے یا ناجائز؟ کسی تدبیر کو اختیار کرنے کے لئے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ اس تدبیر کا موجودہ سیاست کی دنیا میں رواج عام ہے یا وہ سیاسی تحریکوں میں بہت مؤثر ثابت ہوئی ہے،، اور اسے آج کی سیاست میں ناگزیر سمجھا جاتا ہے اگر وہ اصولِ شرعیہ کے اعتبار سے جائز نہ ہو، یا شرعی مفاسد پر مشتمل ہو تو خواہ موجودہ سیاست کے علمبردار اسے کتنا ضروری کیوں نہ سمجھتے ہوں، اسے ہرگز اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ سیاست مقصود نہیں، شریعت کی اطاعت مقصود ہے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور صحابہ کرامؓ کے حالات میں ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جن میں آپؐ نے یا آپؐ کے پاکباز صحابہؓ نے مؤثر سے مؤثر تدبیریں صرف اس لئے چھوڑ دیں کہ وہ شریعت کے خلاف تھیں۔

غزوہ بدر کے موقع پر جب حق و باطل کا پہلا فیصلہ کن معرکہ درپیش تھا۔ اور تین سو تیرہ بے سروسامان صحابہ کرامؓ اتنی بڑی طاقت سے ٹکر لینے جارہے تھے تو ایک ایک شخص کی بڑی قدر و قیمت تھی اور قدرتی طور پر نفری میں تھوڑا سا اضافہ بھی کامیابی میں مؤثر ہو سکتا تھا اس موقع پر حضرت حذیفہ ابن یمانؓ جیسے جاں نثار صحابی اور ان کے والد نے لشکر میں شامل ہونا چاہا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس بنا پر جہاد میں شامل ہونے سے روک دیا کہ آتے وقت انہیں کفار نے گرفتار کر لیا تھا، اور اس وعدے پر چھوڑا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جہاد کی شرکت سے روکتے ہوئے فرمایا:

نفی بعهدهم ونستعين الله تعالیٰ عليهم

ہم ان سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کریں گے اور
خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں گے۔

(صحیح مسلم بخاری ص ۱۰۶، ج ۲، سیر اعلام النبلاء ص ۳۶۲ و ۳۶۳، ج ۲،
والاصابہ ص ۲۲۳، ج ۲)

اسی غزوے میں ایک نہایت تجربہ کار مشرک شخص نے جو اپنی بہادری اور جنگجوئی میں مشہور تھا۔ آپؐ کے ساتھ لڑائی میں شامل ہونا چاہا۔ لیکن یہ حق و باطل کا پہلا معرکہ تھا اور اس پہلے معرکے میں کسی کافر کی مدد لینا اسلام کو گوارا نہ تھا۔ چنانچہ اس وقت حکم یہی تھا کہ کافروں سے مدد نہ لی جائے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی لڑائی میں شامل کرنے سے انکار فرما دیا۔ اور ارشاد فرمایا:

ارجع، فَلَنْ أَسْتَعِينَ بِمُشْرِك
میں کسی مشرک سے ہرگز مدد نہ لوں گا۔

(جامع ترمذی، کتاب السیر باب فی اہل الذمۃ یغزون مع المسلمین۔)

خلفائے راشدینؓ کا مقام تو بہت بلند ہے۔ بعد کے صحابہ کرامؓ بھی اسی اصول پر ہمیشہ کاربند رہے۔ حضرت معاویہؓ کا رومیوں سے جنگ بندی کا معاہدہ تھا اس کی مدت ختم ہونے سے پہلے حضرت معاویہؓ نے اپنی فوجیں سرحد پر ڈال دیں اور مدت کے ختم ہوتے ہی حملہ کر دیا، رومی لوگ بے خبری میں تھے اس لئے پسپا ہونے شروع ہو گئے۔ اور حضرت معاویہؓ فاتحانہ آگے بڑھتے رہے اتنے میں حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ، پیچھے سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے پہنچے اور حضرت معاویہؓ کو روک کر انہیں ایک حدیث سنائی جس کی رو سے یہ حملہ شرعاً ناجائز تھا۔ حضرت معاویہؓ یہ سمجھتے تھے کہ حملہ چونکہ جنگ بندی ختم ہونے کے بعد ہوا ہے اس لئے یہ عہد شکنی میں داخل نہیں ہے۔ لیکن حدیث سنتے ہی کوئی تاویل کرنے کے بجائے اپنے پورے لشکر کے ساتھ واپس لوٹ گئے۔

(جامع ترمذی، ابواب السیر، باب ما جاء فی الغدر)

جو سالارِ لشکر اپنی کامیاب تدبیر کے بعد فتح کے نشے میں آگے بڑھ رہا ہو، اس کے لئے اپنی یلغار کو روکنا ہی مشکل ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ مفتوحہ علاقہ بھی واپس کر دے۔ لیکن مقصد چونکہ سیاست و حکومت نہیں، اطاعت شریعت تھا، اس لئے تدبیر کے ناجائز ہونے کا علم ہوتے ہی اس ساری تدبیر سے دستبردار ہو گئے۔

غرض ہماری تاریخ ایسی درخشاں مثالوں سے بھری پڑی ہے جن میں مسلمانوں نے مؤثر سے مؤثر تدبیر کے لئے بھی شریعت کی ادنیٰ خلاف ورزی گوارا نہیں کی بلکہ اُسے ترک کر دیا۔

لہٰذا اسلامی سیاست میں جدوجہد کی تدبیروں کا شرعاً جائز ہونا ضروری ہے۔ لیکن آج کل عموماً سیاسی جدوجہد کے دوران یہ پہلو نظروں سے بالکل اوجھل ہو جاتا ہے جو تدبیریں لادینی سیاست کے علمبردار اختیار کئے ہوئے ہیں اور جن کا رواج عام ہو چکا ہے انہیں یہ دیکھے بغیر اختیار کر لیا جاتا ہے کہ یہ تدبیریں اپنے تمام لوازم کے ساتھ جائز بھی ہیں یا نہیں؟ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے سیاسی جدوجہد کے کئی مروجہ طریقوں پر شرعی نقطہ نظر سے بحث فرمائی ہے اور ان کے شرعی حکم کو واضح فرمایا ہے۔

بائیکاٹ اور ہڑتال کا شرعی حکم:

مثلاً حکومت سے اپنے مطالبات منوانے کے لئے آج کل ہڑتالوں کا طریقہ اختیار کیا

جاتا ہے اگر بات صرف اس حد تک ہوتی کہ لوگ اپنی خوشی سے احتجاجاً کاروبار بند کر دیں تو دوسرے مفاسد کی عدم موجودگی میں اسے ایک مباح تدبیر کہا جا سکتا تھا، چنانچہ حضرتؒ فرماتے ہیں :-

"بائیکاٹ یا نان کوآپریشن ، یہ شرعاً افراد جہاد میں سے نہیں دلائل میں ملاحظہ کیا جائے ، بلکہ مستقل تدابیر مقاومت کی ہیں جو فی نفسہٖ مباح ہیں ۔

(الروضۃ الناضرۃ ، افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ ص ۱۰)

لیکن ایسی ہڑتال جو لوگوں نے کلیتہً اپنی خوشی سے کی ہو آج عملاً دنیا میں اس کا وجود نہیں ہے۔ اکثر و بیشتر تو لوگوں کو ان کی خواہش اور رائے کے برخلاف ہڑتال میں حصہ لینے پر مجبور کیا جاتا ہے اگر کوئی حصہ نہ لے تو اس کو جسمانی اور مالی اذیتیں دی جاتی ہیں ، سنگباری اور آتشزنی تو ہڑتال کا ایک لازمی حصہ بن گئے ہیں ۔ سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کر کے لوگوں کے لئے اپنی ضرورت سے چلنا پھرنا مسدود کر دیا جاتا ہے ۔ چلتی ہوئی گاڑیوں پر پتھراؤ ہوتا ہے ۔ بہت سے لوگ ، اسی قسم کی ایذا رسانیوں کے خوف سے اپنا کاروبار بند رکھتے ہیں اور جو ضرورت مند شخص باہر نکلنے پر کسی وجہ سے مجبور ہو وہ ہر وقت جانی و مالی نقصان کے خطرے میں رہتا ہے اور بسا اوقات کوئی نہ کوئی بے گناہ مارا جاتا ہے ۔ بعض مرتبہ مریض علاج کو ترس ترس کر رخصت ہو جاتے ہیں اور بہت سے غریب لوگ فاقہ کشی کا شکار ہو جاتے ہیں

یہ تمام باتیں ہڑتال کا ایسا لازمی حصہ بن کر رہ گئی ہیں کہ ان کے بغیر کسی "کامیاب ہڑتال" کا تصور نہیں ہو سکتا ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں شرعاً حرام و ناجائز ہیں اور جو چیز ان حرام و ناجائز باتوں کا لازمی سبب بنے وہ کیسے جائز ہو سکتی ہے ؟

لہٰذا حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے ہڑتال کے مروجہ طریقوں کو شرعاً ناجائز قرار دیا ہے تحریکات خلافت کے زمانے میں "ترکِ موالات" کے جو طریقے اختیار کئے گئے تھے ان میں ہڑتال بھی داخل تھی ۔ "ترکِ موالات" کے تحت یہ تحریک چلائی گئی تھی کہ برطانوی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے ۔ چنانچہ اہلِ تحریک نے ایسی دوکانوں پر جو برطانوی مصنوعات فروخت کرتی تھیں رضا کار مقرر کر دیئے تھے ۔ جو لوگوں کو جس طرح ممکن ہو وہاں سے خریداری کرنے سے روکتے تھے ، اگر خرید چکے ہوں تو ان کو واپسی پر مجبور کرتے تھے ۔ نیز دکانداروں کو مجبور کرتے تھے کہ وہ ایسی اشیاء اپنی دکانوں میں نہ رکھیں ۔ اگر وہ نہ مانیں تو ان کو نقصان پہنچاتے تھے خواہ اس دکاندار کے پاس کوئی اور ذریعۂ معاش نہ ہو ، اور اس تجارت کے بند کرنے سے اس کے اہل و عیال پر فاقوں کی نوبت آجائے حضرت ان طریقوں کا شرعی حکم بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

یہ واقعہ بھی متعدد گناہوں پر مشتمل ہے، ایک مباح فعل کے ترک پر مجبور کرنا کیونکہ بجز بعض خاص تجارتوں کے سب اشیاء کی خرید و فروخت کا معاملہ اہلِ حرب تک کے ساتھ بھی جائز ہے چہ جائیکہ معاہدین کے ساتھ ... دوسرے بعد اتمام بیع کے واپسی پر مجبور کرنا اور زیادہ گناہ ہے، کیونکہ بدون قانون خیار کے یہ واپسی بھی شرعاً مثل بیع کے ہے جس میں تراضیٔ متعاقدین شرط ہے تیسرے نہ ماننے والوں کو ایذا دینا، جو ظلم ہے، چوتھے اہل وعیال کو تکلیف پہنچانا کہ یہ بھی ظلم ہے، پانچویں اگر اس کو واجب شرعی بتلایا جاوے تو شریعت کی تغییر و تحریف ہونا ... "

اس کے بعد حضرت ہڑتال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

اس میں بھی وہی خرابیاں ہیں جو نمبر ۳ میں مذکور ہوئیں اور اگر ان احتجاجات مذکورہ میں شرکت نہ کرنے پر ایذاء جسمانی کی بھی نوبت آجاوے تو یہ گناہ ہونے میں اضرارِ مالی سے بھی اشد اور منافیٔ اقتضائے اسلام ہے ... پھر ان مقاطعات پر مجبور کرنے میں یہ جابرین خود اپنے تسلیم کردہ قانونِ حریت کے بھی خلاف کر رہے ہیں، ورنہ کیا وجہ کہ اپنی آزادی کی تو کوشش کریں، اور دوسروں کی آزادی کو سلب کریں۔"

(معاملۃ المسلمین۔ افادات اشرفیہ ص ۲۷ و ۲۸)

اس کے علاوہ حضرتؒ نے ہڑتال ہی کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ "تلیین العرائک" کے نام سے لکھا ہے، جس کا اصل موضوع تو تعلیمی اداروں میں طلبہ کی ہڑتال ہے۔ لیکن اس میں مطلق ہڑتال کے بارے میں بھی اصولی بحثیں آگئی ہیں۔ اس رسالے کا حاصل بھی یہی ہے کہ ہڑتال کا مروجہ طریق کار شریعت کے خلاف اور ناجائز ہے۔

(ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ ص ۲۰۱ - ج ۶)

بھوک ہڑتال :

اسی طرح مطالبات منوانے کے لئے ایک طریقہ بھوک ہڑتال کا بھی اختیار کیا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں حضرتؒ سے سوال کیا گیا تھا کہ "اگر کوئی گرفتار ہو جائے اُن میں سے بعضے لوگ جیل جانے میں مقاطعۂ جوعی کرتے ہیں یہاں تک کہ مرجاتے ہیں اور قوم میں ان کی مدح کی جاتی ہے" حضرتؒ نے اس کا شرعی حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"اس کا خودکشی اور حرام ہونا ظاہر ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:
ولا تقتلوا انفسکم، وفی الهدایة کتاب الاکراہ، فیاتم
کماف حالت المخمصة: وفی العنایة: فامتناعه
عن التناول کامتناعه من تناول الطعام الحلال
حتی تلفت نفسه او عضوه، فکان آثما۔ الخ
اس روایت سے معلوم ہوا کہ جان بچانا اس درجہ فرض ہے
کہ اگر حالت اضطرار میں اندیشہ مرجانے کا ہو، اور مردار کھانے
سے جان بچ سکتی ہو کہ اس کا نہ کھانا اور جان دے دینا معصیت
ہے۔ چہ جائیکہ طعام حلال کا ترک اور اس فعل کی مدح کرنے
میں تو اندیشہ کفر ہے۔ کہ صریح تکذیب ہے شریعت کی کہ شریعت
جس فعل کو مذموم کہتی ہو، یہ اس کو محمود کہتا ہے"۔

(افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ ص ۲۸ و ۲۹، نمبر ۶)

ایک اور موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:

"یہ (بھوک ہڑتال) خودکشی کے مترادف ہے۔ اگر موت
واقع ہو جائے گی تو وہ موت حرام ہوگی۔

(الافاضات الیومیہ ص ۳۰ ج ۲ ملفوظ نمبر ۴۳)

پبلسٹی کے مروجہ ذرائع:

آج کی سیاست میں پبلسٹی اور پروپیگنڈے کو بھی نہایت اہم مقام حاصل ہے۔ اور اس سلسلے میں عموماً مغربی سیاست کے ایک مشہور نمائندے گوئبلز کے اس مقولے پر عمل کیا جاتا ہے کہ:۔

"جھوٹ اتنی شدت کے ساتھ بولو کہ دنیا اُسے سچ جان لے"

آج کل کی حکومتیں ہوں، یا لادینی سیاسی جماعتیں وہ تو اس اصول پر عمل کرتی ہی ہیں لیکن بسا اوقات اسلام کے لئے سیاسی جدوجہد کرنے والے حضرات بھی اس چھائے ہوئے ماحول سے متاثر ہو کر پبلسٹی اور پروپیگنڈے کے مروجہ ذرائع کو استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں اور ان کے جائز و ناجائز ہونے کی طرف یا تو دھیان نہیں جاتا یا پھر وہی نظریہ کارفرما ہوتا ہے کہ سیاست کی اصلاح ایک بلند مقصد ہے اور اس کے حصول کے لئے چھوٹے چھوٹے امور کی قربانی دی جاسکتی ہے۔ غلط بیانی تو حرام ہے ہی لیکن سیاسی مخالفین کی بلاوجہ غیبت، ان کے خلاف ناجائز بدگوئی، ان پر بہتان و افتراء

اور تحقیق کے بغیر افواہیں پھیلانا، یا ان پر تحقیق کے بغیر یقین کرنا یہ سب وہ باتیں ہیں جو ہماری سیاسی تحریکات میں شعوری یا غیر شعوری طور پر داخل ہو گئی ہیں اور ان کی وجہ سے افتراق و انتشار، پارٹی بندیوں اور فتنہ و فساد میں اضافہ ہو تا جاتا ہے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے اپنی تصانیف اور مواعظ و ملفوظات میں اس طریق کار پر بھی تنقید فرمائی ہے اور ایسی سیاسی تدبیروں کو ناجائز اور واجب الترک قرار دیا ہے جو ان مفاسد پر مشتمل ہوں۔

اسی طرح جلسے جلوس بھی پبلسٹی اور اپنے نقطۂ نظر کو عوام تک پہنچانے کا اہم ذریعہ سمجھے جاتے ہیں لیکن ان میں بھی بعض اوقات احکام شرعیہ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اس کے بارے میں حضرتؒ فرماتے ہیں :۔

"جب کوئی تدبیر تدابیر منصوصہ کے خلاف اختیار کی جاوے گی، اس کو تو ممنوع ہی کہا جاوے گا۔ خصوص جبکہ وہ فعل عبث یا مضر بھی ہو تو اس کی حرمت میں پھر کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ وہاں تو الضرورات تبیح المحظورات کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا مثلاً ہڑتال ہیں، جلوس ہیں، ان میں وقت کا ضائع ہونا، روپیہ کا صرف ہونا، حاجت مند لوگوں کو تکلیف ہونا، نمازوں کا ضائع ہونا کھلے مفاسد ہیں تو یہ افعال کیسے جائز ہو سکتے ہیں؟ ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر نیت امداد حق کی ہو؟ تو فرمایا کہ ان باتوں سے حق کو کوئی امداد نہیں پہنچتی دوسرے نامشروع فعل نیت سے مشروع نہیں ہو جاتا۔"

(الافاضات الیومیہ ص ۱۳۶ ج ۵، ملفوظ نمبر ۱۵۲)

مروجہ سیاسی تدابیر کے بارے میں ایک اور موقع پر آپ نے اپنا نقطۂ نظر واضح فرمایا ہے، آپ سے پوچھا گیا تھا کہ " جتھے (حکومت کے) مقابلے کے لئے جاتے ہیں اور گرفتار ہوتے ہیں خاموش مقابلہ کرتے ہیں اگر حکومت کی طرف سے تشدد بھی ہو تب بھی جواب نہیں دیا جاتا۔ ان صورتوں کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا :۔

" عقلی دو ہی احتمال ہیں، یا تو مقابلے کی قوت ہے، یا قوت نہیں اگر قوت ہے تو گرفتار ہونے کے کیا معنی؟ مقابلہ کرنا چاہیے۔ اور جب مقابلہ نہیں کر سکتے تو یہ صورت عدم قوت کی ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو عدم قوت کی حالت میں قصداً ایسی صورت اختیار کرنے کی خود ضرب و حبس میں مبتلا ہو، شریعت اجازت نہیں دیتی بلکہ بجائے ایسے

مخترع مقابلے کے مکارہ (ناگوار امور) پر صبر سے کام لینا چاہیئے۔ خلاصہ یہ کہ اگر قوت ہے، مقابلہ کرو، اگر قوت نہیں صبر کرو، ان دو صورتوں کے علاوہ تیسری کوئی صورت منقول نہیں۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں:۔

"اس وقت سب سے بڑی وجہ ناکامی کی یہی ہوئی کہ مسلمانوں کے سر پر کوئی بڑا نہیں، نہ مسلمانوں کی قوت کسی مرکز پر جمع ہے اور نہ ہو سکتی ہے جب تک کہ بالاتفاق ایک کو بڑا نہ بنالیں۔ اگر امام ہو تو سب کام ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ اس کے حکم سے میدان میں جاویں، اگر جان بھی جاتی رہے تو کوئی حرج نہیں اور یہ کیا کہ بیٹھے بیٹھے جاکر قتل ہو جاویں، یہ کوئی انسانیت ہے؛ اصل بات وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ خیر القرون میں دو ہی صورتیں تھیں کہ قوت کے وقت مقابلہ، اور عدم قوت کے وقت صبر۔ اس کے سوا سب من گھڑت تدابیر ہیں۔ اس لئے ان میں خیر و برکت نہیں ہو سکتی اور جب خیر و برکت نہ ہو اور مسلمان ظاہراً کامیاب بھی ہو جائیں تو اس کامیابی پر کیا خوشی جو اللہ اور رسول ؐ کی مرضی کے خلاف تدابیر اختیار کر کے کامیابی حاصل کی جاوے اور حسی کامیابی کا ہو جانا تو کوئی کمال کی بات نہیں۔ اس لئے کہ ایسی کامیابی کافروں کو بھی ہو جاتی ہے۔ اور مسلمانوں کی اصل کامیابی تو وہ ہے کہ چاہے غلامی ہو، مگر خدا راضی ہو اور اگر حکومت ہوئی اور ان کی مرضی کے خلاف ہوئی۔ وہ راضی نہ ہوئے تو فرعون کی حکومت اور تمہاری حکومت میں کیا فرق ہوا؟ بس ان کے راضی کرنے کی فکر کرو، ان سے صحیح معنوں میں تعلق کو جوڑو، اسلام اور احکام اسلام کی پابندی کرو۔ ان بتوں کا اتباع تو بہت دن کر کے دیکھ لیا۔ اب خدا کے سامنے سر رکھ کر اور اس سے اپنی حاجت اور ضروریات کو مانگ کر بھی دیکھ لو کہ کیا ہوتا ہے؟"

(الافاضات الیومیہ ص ۱۶۸ و ۱۶۹ ج ۵ ملفوظ نمبر ۱۹۰)

حکومت کے ساتھ طرزِ عمل:

اسلام نے اپنے احکام میں اصل زور اس بات پر دیا ہے کہ ہر حالت میں احکام شریعت کا اتباع کی جائے اگر حاکم وقت کی طرف سے خلاف شرع امور کا دیا جائے تو اس کی

اطاعت واجب نہیں، بلکہ جب تک اکراہ کی شرعی حالت متحقق نہ ہو، شریعت کے احکام پر عمل ضروری ہے اس راستے میں جتنی تکلیفیں پیش آجائیں ان پر صبر کرنا چاہیئے کہ وہ موجب اجر ہے، اسی طرح اگر کوئی حاکم شریعت کے خلاف کام کر رہا ہے تو اُسے راہ راست پہ لانے کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کی شرائط کے ساتھ انجام دینا بھی ضروری ہے اور ضرورت کے وقت اس کے سامنے اظہارِ حق بھی جسے حدیث میں "افضل الجہاد" قرار دیا گیا ہے۔ یہ تمام کام شریعت کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں بشرطیکہ شرعی حدود میں ہوں اور پیش نظر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا اور دین حق کی تبلیغ و نصرت ہو، محض اپنی بہادری جتانا، لوگوں سے داد حاصل کرنا یا خود طلب اقتدار پیش نظر نہ ہو۔

لیکن آج کی سیاسی فضا میں یہ معاملہ بھی شدید افراط و تفریط کا شکار ہے جو لوگ حزب اقتدار سے وابستہ یا حکومت کے طرف دار ہوتے ہیں، وہ ہر حال میں حکومت کی تعریفوں کے پُل باندھے رکھتے ہیں اور اس کے ہر جائز و ناجائز فعل کی تائید و حمایت کرتے ہیں۔ حکومت کے ناجائز یا ظالمانہ اقدامات کو کھلی آنکھوں دیکھتے ہیں پھر بھی خاموش رہتے ہیں اور ان کی تاویلات تلاش کرتے رہتے ہیں۔ جو صریح مداہنت ہے اور بعض لوگ تو ان ناجائز اقدامات کی حمایت کے لئے تحریف دین تک سے دریغ نہیں کرتے اور دوسری طرف جو لوگ "حزب اختلاف"، سے وابستہ یا حکومت کے مخالف ہیں وہ "حکومت کی مخالفت"، کو بذاتِ خود ایک مقصد بنا لیتے ہیں اور اسے سیاسی فیشن کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ خاص طور پر حزب اختلاف یہ بات اپنے فرائض منصبی میں سے سمجھتی ہے کہ وہ حکومت کی ہر بات میں کیڑے نکالے اور اس کی کسی اچھائی کا اعتراف نہ کرے۔ اس طرز عمل کا مقصد بسا اوقات حق کی نصرت کے بجائے حکومت کو بدنام کر کے اپنے اقتدار کا راستہ ہموار کرنا اور عوام سے بہادری کی داد حاصل کرنا ہوتا ہے۔

عوام میں بھی حکّام کو وقت بے وقت بُرا بھلا کہنے اور انہیں گالیاں تک دینے کا رواج عام ہو چکا ہے۔ جلوسوں میں سربراہان حکومت کو "کتّا" اور "سور" تک بنا کر ان کے خلاف ہائے ہائے کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ مجلسوں میں ایک مشغلے کے طور پر حکّام کا ذکر کر کے ان کی برائیاں کی جاتی ہیں، جو کسی معقول وجہ کے بغیر ہونے کی وجہ سے غیبت میں تو داخل ہیں ہی، بعض اوقات افترا اور بہتان کی حدود میں بھی داخل ہو جاتی ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ فاسق و فاجر حکمرانوں کو بُرا کہنا غیبت میں داخل نہیں۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے اس طرزِ عمل پر بھی تنقید فرمائی ہے۔ حضرتؒ فرماتے ہیں :-

> "حجاج بن یوسف اس امت کا سب سے بڑا ظالم مشہور ہے مگر کسی بزرگ کی مجلس میں ایک شخص نے اس پر کوئی الزام لگایا

اور غیبت کی تو انہوں نے فرمایا کہ وہ اگرچہ ظالم و فاسق ہے۔ مگر
حق تعالیٰ کو اس سے کوئی دشمنی نہیں وہ جس طرح دوسرے مظلوموں
کا انتقام حجاج سے لے گا، اسی طرح اگر کوئی حجاج پر ظلم کرے گا تو
اس سے بھی انتقام لیا جائے گا۔"

(مجالس حکیم الامت ص ۹۲، ملفوظات رمضان ۱۳۴۸ھ)

اس کے علاوہ حضرتؒ نے کئی مقامات پر یہ بات واضح فرمائی ہے کہ کسی ضرورت
کے بغیر حکام کی علی الاعلان اہانت شرعاً پسندیدہ بھی نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"سلاطینِ اسلام کی علی الاعلان اہانت میں ضرر ہے جمہور
کا ہیبت نکلنے سے فتن پھیلتے ہیں، اس لئے سلاطینِ اسلام
کا احترام کرنا چاہیئے۔"

(انفاس عیسیٰ ص ۳۶۹۔ ج ۱۔ باب ۴)

حضرت حکیم الامتؒ کی یہ بات درحقیقت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے
اس ارشاد کی شرح ہے جو حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:۔

من أراد ان ینصح لذی سلطان بأمر فلا
یبدله علانیة، ولكن لیأخذ بیده فیخلو به
فان قبل منه فذاك، والا كان قد أدى الذی علیه"

جو شخص کسی صاحب اقتدار کو کسی بات کی نصیحت کرنا چاہے
تو اس نصیحت کو علانیہ ظاہر کرے۔ بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر خلوت
میں لے جائے اگر وہ اس کی بات قبول کرلے تو بہتر ورنہ اس نے
اپنا فرض ادا کر دیا۔

(مجمع الزوائد ص ۲۲۹ ج ۵۔ بحوالہ مسند احمد رجالہ ثقات)

ایک اور وعظ میں حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں:۔

"بعض لوگ بعض مصائب سے تنگ ہو کر حکام وقت
کو برا بھلا کہتے ہیں، یہ بھی علامت ہے بے صبری کی، اور پسندیدہ
تدبیر نہیں، اور حدیث شریف میں اس کی ممانعت بھی آئی ہے فرماتے
ہیں: "لا تسبوا الملوک" یعنی بادشاہوں کو برا مت کہو، ان کے
قلوب میرے قبضے میں ہیں میری اطاعت کرو، میں ان کے دلوں
کو تم پر نرم کر دوں گا۔"

(وعظ الصبر ص ۳۶، ماخوذ از اصلاح المسلمین ص ۵۲۲)

جس حدیث کی طرف حضرتؒ نے اشارہ فرمایا ہے وہ مختلف صحابہ کرامؓ سے مختلف الفاظ میں روی ہے۔ حضرت عائشہؓ سے اس کے یہ الفاظ مروی ہیں:۔

لا تشغلوا قلوبكم بسبّ الملوك، ولكن تقرّبوا الى الله تعالىٰ بالدعاء لهم يعطف الله قلوبهم عليكم

اپنے دل بادشاہوں کو برا بھلا کہنے میں مشغول نہ کرو۔ بلکہ ان کے حق میں دعا کرکے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو تمہاری طرف متوجہ فرمادیں گے۔

(کنز العمال ص ۲ ج ۶، حدیث ۹ بحوالہ ابن النجار)

اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ منقول ہیں:۔

ان الله يقول: انا الله لا اله الا انا، مالك الملك وملك الملوك قلوب الملوك بيدي، وإن العباد اذا أطاعوني حولت قلوب ملوكهم عليهم بالرأفة والرحمة، وان العباد اذا عصوني حولت قلوبهم عليهم بالسخط والنقمة، فساموهم سوء العذاب فلا تشغلوا أنفسكم بالدعاء على الملوك، ولكن اشغلوا انفسكم بالذكر والتضرع أكفكم ملوككم

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں میں مالک الملک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے قلوب میرے ہاتھ میں ہیں اور بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں کے دلوں کو ان کی طرف رحمت و رافت سے متوجہ کر دیتا ہوں، اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے دلوں کو ان کے خلاف ناراضی اور عذاب کے ساتھ متوجہ کر دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ انہیں بدترین اذیتیں پہنچاتے ہیں۔ لہٰذا تم بادشاہوں کو بد دعائیں دینے میں مشغول نہ ہو، بلکہ اپنے آپ کو ذکر اور دعا و تضرع میں مشغول رکھو، میں تمہارے بادشاہوں کے معاملے میں تمہاری مدد کروں گا۔

(مجمع الزوائد ص ۲۴۹، ج ۵ بحوالہ طبرانی، وفیہ ابراھیم بن راشد، وھو متروک)

اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں:۔

لا تسبوا الأئمة وادعوا الله لهم بالصلاح
فأن صلاحهم لكم صلاح

أئمہ (سربراہانِ حکومت) کو بُرا بھلا نہ کہو، بلکہ ان کے حق میں نیکی کی دعا کرو۔ کیونکہ ان کی نیکی میں تمہاری بھلائی ہے۔

(السراج المنیر للعزیزی ص ۴۱۱ ج ۳، وقال: اسنادہ حسن)

بہر صورت! حکام کو بلاضرورت بُرا کہنے کو مشغلہ بنا لینا شرعاً پسندیدہ نہیں ہے اگر وہ اتنے بُرے ہوں کہ ان کے خلاف خروج (بغاوت) جائز ہو تو پھر شرعی احکام کے مطابق خروج کیا جائے، (جس کی کچھ تفصیل انشاء اللہ آگے آرہی ہے) لیکن بدگوئی کو شیوہ بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ غیبت کے نقصان کے علاوہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اس بدگوئی کے ایک اور نقصان کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے اور وہ یہ کہ حکومت کی فی الجملہ ہیبت امن وامان کے قیام کے لئے ضروری ہے اور جب یہ ہیبت دلوں سے اٹھ جائے تو اس کا لازمی نتیجہ مجرموں کی بے باکی کی صورت میں نکلتا ہے ملک میں بدامنی پھیلتی ہے اور اس کا نقصان پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔

حکومت کے غیر شرعی قوانین اور اقدامات کے خلاف چارۂ کار:

یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہڑتال بھوک ہڑتال اور احتجاج کی مروجہ بیشتر صورتوں کو درمیان سے نکال دیا جائے تو موجودہ حکومتوں کے غیر شرعی قوانین اور اقدامات کے خلاف امت کے پاس چارۂ کار کیا رہ جاتا ہے؟ کیا موجودہ حکومتوں کو اس طرح آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ اسلامی احکام کو پامال کرتی رہیں؟ لوگوں کو اسلام اور اسلامی تعلیمات برگشتہ کرنے کے لئے حکومت کی پوری مشینری کو استعمال کرتی رہیں؟ تعلیم گاہوں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے غیر اسلامی نظریات کی ترویج جاری رہے؟ اور جو مسلمان دین پر عمل کرنا چاہتے ہیں وہ زبانی وعظ و نصیحت کے سوا کچھ نہ کریں؟ جبکہ آج کل کی حکومتوں کا تجربہ یہ ہے کہ وہ زبانی وعظ و نصیحت کو درخور اعتناء نہیں سمجھتیں اور جب تک ان پر احتجاج کا دباؤ نہ ڈالا جائے اس وقت تک وہ کسی مطالبے کو عموماً تسلیم نہیں کرتیں۔

اس سوال کا جواب حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات کی روشنی میں یہ ہے کہ مغربی سیاست کے رواج عام کے سبب ہمارے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ احتجاج

کا طریقہ ہڑتالوں، جلوسوں اور مظاہروں ہی میں منحصر ہے حالانکہ ایک مسلمان کو احتجاج کا طریقہ بھی خود اپنے دین کے احکام ہی سے لینا چاہیئے اور وہ یہ ہے کہ اگر حکومت کے یہ غیر اسلامی اقدامات اس حد تک پہنچ جاتے ہیں جہاں حکومت کے خلاف خروج (مسلح بغاوت) جائز ہو جائے وہاں تو خروج کے احکام جاری ہوں گے (جن کی کچھ تفصیل آگے آرہی ہے) لیکن جہاں خروج جائز نہ ہو، وہاں وعظ و نصیحت کے علاوہ مسلمانوں کے پاس احتجاج کا ایک طریقہ ایسا ہے جو بڑی بڑی حکومتوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ اور وہ طریقہ ہے:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ

یعنی! "خالق کی نافرمانی کرکے کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

اور یہ طریقہ خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد سے ثابت ہوتا ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

"خذوا العطاء مادام عطاء، فإذا صار رشوة على الدين فلا تأخذوه، ولستم بتاركيه يمنعكم الفقر والحاجة، الا ان رحا الاسلام دائرة، فدوروا مع الكتاب حيث دار، الا ان الكتاب والسلطان سيفترقان، فلا تفارقوا الكتاب الا، انه سيكون عليكم امراء يقضون لأنفسهم ما لا يقضون لكم فإن عصيتموهم قتلوكم، وان أطعتموهم أضلوكم، قالوا: يارسول الله كيف نصنع؟ قال: كما صنع أصحاب عيسى بن مريم نشروا بالمناشير، وحملوا على الخشب موت فى طاعة الله خير من حياة فى معصية الله۔

تنخواہ اس وقت تک لو جب تک وہ تنخواہ رہے، لیکن اگر وہ دین (فروشی) کے اوپر رشوت بن جائے تو نہ لو، اور تم فقر اور حاجت کے خوف سے اسے چھوڑو گے نہیں خوب سن لو، کہ اسلام کی چکی چل چکی ہے لہٰذا قرآن جہاں بھی جائے تم اس کے ساتھ جاؤ۔ خبردار قرآن اور اقتدار دونوں الگ الگ ہو جائیں گے، ایسے میں تم قرآن کا ساتھ نہ چھوڑنا، یاد رکھو کہ تم پر کچھ ایسے امراء آئیں گے جو اپنے

حق میں وہ فیصلے کریں گے جو تمہارے حق میں نہیں کریں گے۔ اگر تم نے
ان کی خلاف ورزی کی تو وہ تمہیں قتل کردیں گے اور اگر تم نے
ان کی اطاعت کی تو وہ تمہیں گمراہ کردیں گے۔ صحابۂ کرامؓ نے عرض
کیا کہ یا رسول اللہ! ہم ایسے میں کیا کریں؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہی کرو
جو عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے ساتھیوں نے کیا، ان کو آروں سے
چیر دیا گیا، اور لکڑیوں پہ اٹھایا گیا۔ اللہ کی اطاعت میں موت آ
جائے تو وہ اللہ کی نافرمانی میں زندگی گذارنے سے بہتر ہے۔

(مجمع الزوائد ص ۲۳۸ ج ۵ بحوالہ طبرانی، وقال الہیثمی: یزید
بن مرثد لم یسمع من معاذ والوضین بن عطاء وثقہ ابن حبان وغیرہ
وضعفہ جماعۃ، وبقیۃ رجالہ ثقات)

اس حدیث نے واضح فرمادیا کہ اگر کبھی حکومت وقت کی طرف سے ایسے احکام جاری کئے جائیں جو اللہ کی کتاب کے صراحۃً خلاف ہوں۔ (جن میں اسلام کے تمام قطعی اور منصوص احکام داخل ہیں) تو ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ ان احکام کے بجائے اللہ کے حکم کی پابندی کرے یہ طریق کار جہاں انفرادی طور پر اخروی نجات کا راستہ ہے وہاں اس میں اجتماعی اصلاح کی بھی زبردست صلاحیت ہے کیونکہ اب اگر عوام میں یہ عام دینی شعور پیدا کردیا جائے کہ وہ خالص اپنے دینی جذبے سے حکومت کے غیر اسلامی احکام کی تنفیذ میں حصہ دار بننے سے ہاتھ روک لیں تو ایک حکومت پر اس سے بڑے کسی دباؤ کا تصور نہیں کیا جاسکتا تصور فرمایئے کہ اگر مسلمان اپنے دینی شعور کے تحت یہ فیصلہ کرلیں کہ وہ بینکوں کے سودی کھاتوں میں رقمیں نہیں رکھوائیں گے۔ ملازمین یہ طے کرلیں کہ وہ سودی بینکوں کی ملازمت چھوڑدیں گے اور تجار یہ طے کرلیں کہ وہ کسی بینک سے سود پر قرض نہیں لیں گے۔ تو کیا یہ سودی نظام ایک دن باقی رہ سکتا ہے اگر مسلمان جج یہ طے کرلیں کہ وہ کسی غیر اسلامی قانون کے تحت فیصلہ نہیں کریں گے۔ اور اس کے لئے ملازمت چھوڑنی پڑے تو چھوڑدیں گے۔ وکلاء یہ طے کرلیں کہ وہ کسی غیر اسلامی قانون کے تحت کسی مقدمے کی پیروی نہیں کریں گے خواہ انہیں کتنے مالی فوائد سے ہاتھ دھونے پڑیں تو کیا یہ غیر اسلامی قوانین عوام کے سروں پر مسلط رہ سکتے ہیں؟ اگر مسلمان سرکاری ملازمین یہ عزم کرلیں کہ وہ حکومت کے کسی غیر اسلامی اقدام کی تنفیذ میں حصہ دار بننا گوارا نہیں کریں گے اور اگر انہیں ایسا کرنا پڑا تو وہ ملازمت سے مستعفی ہوجائیں گے تو کیا یہ غیر اسلامی اقدامات باقی رہ سکتے ہیں؟

احتجاج کے مروّجہ طریقوں کے مقابلے میں اس تجویز میں صرف یہ خرابی ہے کہ یہ مغربی سیاست کے ٹکسال سے ڈھل کر نہیں نکلی اس لئے ذہنوں کے لئے اجنبی اور

ناما نوس ہے لیکن اگر اس تجویز پر ٹھیک ٹھیک عمل کر لیا جائے تو اس میں ملک کا نظام بدلنے کی پوری صلاحیت موجود ہے اور یہ مروجہ تدابیر کے مفاسد سے بھی خالی ہے۔ ہاں اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ نفاذ اسلام کی جدوجہد کرنے والوں کے دل میں خدا کا خوف، آخرت کی فکر، اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس اور اتباع شریعت کی لگن موجود ہو۔ اور وہ پہلے اپنی ذات پر اسلامی احکام کے نفاذ کے لئے تیار ہوں۔

اس کے برعکس مروجہ طریق کار لوگوں کو اس لئے آسان معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اپنی ذات پر اسلام کی کوئی پابندی عائد کرنے کی کوئی شرط نہیں ہے جس شخص کی ذاتی زندگی اسلام کی بنیادی تعلیمات تک سے خالی ہو، وہ بھی نفاذِ اسلام کا جھنڈا بلند کر کے سڑکوں پر نعرے لگا سکتا ہے، اس طریق کار میں "اسلامی جذبے" کے اظہار کے لئے ایک دن ہڑتال میں حصہ لے لینا کافی ہے۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد دکانوں اور دفتروں میں بیٹھ کر خالص غیر اسلامی معاملات اپنے ہاتھوں سے طے کئے جا رہے ہوں تو اس سے اس جدوجہد پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

سوال یہ ہے کہ جو لوگ خود اپنی ذاتی زندگی پر اسلامی احکام نافذ نہ کر سکتے ہوں وہ کیسے یہ توقع کر سکتے ہیں کہ نفاذ اسلام کے لئے ان کی جدوجہد اور ان کے مطالبات پورے ہو جائیں گے؟ اس عظیم کام کے لئے اتنی شرط تو ہونی چاہیئے کہ جو لوگ اس جدوجہد کا بیڑا اٹھائیں، کم از کم وہ تو اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالے ہوئے ہوں اور اس راہ میں جان و مال اور جذبات و مفادات کی قربانی پیش کرنے کا عزم رکھتے ہوں۔ اگر یہ بنیادی شرط ہی مفقود ہے تو نفاذِ اسلام کی جدوجہد کی حیثیت و اہمیت ایک بے جان اور سطحی شورش سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

حکومت کے خلاف خروج:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کو شدید جرم قرار دیا ہے اور باغی کی سزا موت قرار دی ہے۔ چنانچہ اس بات پر فقہاء کرامؒ کا اجماع ہے کہ حکومت عادلہ کے خلاف بغاوت کس وقت جائز ہوتی ہے؟ اس مسئلے میں فقہاء امت نے کافی مفصل بحثیں کی ہیں یہ بات تو احادیث سے واضح ہے کہ اگر حکمران سے کفر بواح (واضح کفر) کا صدور ہو جائے تو اس کے خلاف بغاوت بالکل برحق ہے، لیکن اگر اس سے فسق و فجور سرزد ہو تو اس صورت میں عموماً فقہاءؒ بغاوت کو جائز نہیں کہتے کیونکہ حدیث میں صرف کفر بواح کی صورت میں بغاوت کی اجازت دی گئی ہے لیکن دوسری طرف بعض احادیث کے کچھ الفاظ اس کے خلاف بھی نظر آتے

ہیں جن سے حکمران کے فسق کی صورت میں خروج کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اسی بناء پر بعض فقہاءؒ کی عبارتیں بھی کچھ متضاد سی نظر آتی ہیں۔ خود راقم الحروف کو اس مسئلے میں ایک مدت تک بہت اشکال رہا، اور کوئی منقح بات سامنے نہیں آئی۔

لیکن حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے اس موضوع پر ایک نہایت جامع مفصل اور مدلل رسالہ تحریر فرمایا ہے جو امداد الفتاویٰ کی پانچویں جلد میں "جزل الکلام فی عزل الامام" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس میں حضرتؒ نے اس موضوع کی تمام احادیث اور فقہاء کرامؒ کے اقوال کو یکجا جمع کرکے اس مسئلے کو اتنا منقح فرمادیا ہے کہ اس موضوع پر اس سے بہتر بحث احقر کی نظر سے نہیں گذری حضرتؒ نے مسئلے کی تمام صورتوں کا تجزیہ فرماکر ہر صورت کا حکم احادیث اور فقہی حوالوں کے ذریعے واضح فرمایا ہے۔

حضرتؒ کی اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حکمران کے غیر اسلامی اقدامات کی چند صورتیں ہیں اور ہر صورت کا حکم جدا ہے۔

(۱) حکمران کا فسق اس کی ذات کی حد تک محدود ہو، مثلاً شراب نوشی وغیرہ، اس کا حکم یہ ہے کہ:۔

> "اگر بدون کسی فتنے کے آسانی سے جدا کر دینا ممکن ہو، جدا کر دیا جائے اگر فتنے کا اندیشہ ہو صبر کیا جائے ۔ ۔ ۔ اور اگر نہی عن العزل کی صورت میں اس پر کوئی خروج کرے تو عامۂ مسلمین پر اس کی نصرت واجب ہے خاص کر جب امام حکم بھی کرے۔ لقولہ فی العبارۃ السادسہ فاذا خرج جماعۃ مسلمون الخ

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا فسق دوسروں تک متعدی ہو۔ یعنی لوگوں کا مال ناحق طریقے سے لینے لگے، لیکن اس میں اشتباہ جواز کا بھی ہو سکتا ہو۔ جیسے مصالح سلطنت کے نام سے ٹیکس وغیرہ وصول کرنے لگے۔ اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اس میں اس کی اطاعت ہی واجب ہے خروج جائز نہیں۔

(۳) ایسا مالی ظلم کرے جس میں جواز کا شبہ بھی نہ ہو۔ بلکہ صریح ظلم ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ:۔

> " اپنے اوپر سے ظلم کا دفع کرنا، اگرچہ قتال کی نوبت آجائے ۔ ۔ ۔ اور صبر بھی جائز ہے۔ بلکہ غالباً اولیٰ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ "

(۴) لوگوں کو معصیتوں پر مجبور کرے، مگر اس کا منشاء دین کا استخفاف یا کفر و معصیت کی پسندیدگی نہ ہو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر اکراہ کے وہ احکام جاری ہوں گے

جو فقہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ لیکن خروج جائز نہ ہوگا۔

⑤ لوگوں کو معصیت پر مجبور کرے۔ اور اس کا منشاء دین کا استخفاف یا کفر و معصیت کی پسندیدگی ہو تو یہ کفر ہے یا اگرچہ فی الحال تو اکراہ کا منشاء استخفاف وغیرہ نہ ہو، لیکن اکراہ عام بشکل قانون ایسے طور پر ہو کہ ایک مدت تک اس پر عام عمل ہونے سے فی المآل ظن غالب ہو کہ طبائع میں استخفاف پیدا ہو جاوے گا تو ایسا اکراہ بھی بحکم کفر ہے اور ان تمام صورتوں میں وہی حکم ہو گا جو کفر بواح کا ہے اور جو چھٹی صورت میں آرہا ہے۔

⑥ نعوذ باللہ کافر ہو جائے، اور اس کا حکم یہ ہے کہ :۔

"معزول ہو جاوے گا اور اگر جدا نہ ہو، بشرط قدرت جدا کر دینا علی الاطلاق واجب ہے، مگر اس میں شرط یہ ہے کہ وہ کفر متفق علیہ ہو۔ اور جس طرح اس کا کفر ہونا قطعی ہو۔ اسی طرح اس کا صدور بھی یقینی ہو، مثل رویت عین کے، نہ کہ محض روایات ظنیہ کے درجے میں، کما دل علیہ قولہ علیہ السلام الا أن تروا المراد بہ رؤیۃ العین بدلیل تعدیتہ الی مفعول واحد۔

کسی امر موجب کفر کی دلالت علی الکفر یا اس امر موجب کفر کا ثبوت قرائن مقامیہ یا مقالیہ کے اختلاف سے مختلف فیہ ہو سکتا ہے۔ اور خود قطعیت بھی کبھی مختلف فیہ ہو سکتی ہے، اسی طرح کبھی اجماع مختلف فیہ ہو سکتا ہے۔ . . . . اس صورت میں ہر عامل اپنے عمل میں معذور ہو گا۔ اسی طرح ایک صورت میں بھی رائے کے اختلاف میں مساغ ہے، وہ یہ کہ عبارت خاصہ میں تعارض مصالح کے وقت اخف المضرتین کے تحمل کا حکم کیا گیا ہے تو ممکن ہے کہ دو شخصوں کا اجتہاد مضرات مختلفہ کے اخف و اشد ہونے میں مختلف ہو۔ وبہ ینحل کثیر من الاشکالات من اختلاف جماعات الثقات فی مثل هذہ المقامات۔

(امداد الفتاویٰ ص ۱۲۰۔ ج ۵)

پھر جن صورتوں میں خروج کی اجازت یا وجوب بیان کیا گیا ہے ان میں شرط یہ ہے کہ خروج کے لئے مناسب قوت موجود ہو۔ اور اس کے نتیجے میں کسی اور بدتر حکمران

کے مسلط ہو جانے یا کسی غیر مسلم طاقت کے قبضہ جما لینے کا اندیشہ نہ ہو۔
یہاں حضرت کی تحقیق کا نہایت اجمالی خلاصہ پیش کیا گیا ہے ورنہ حضرتؒ نے ہر صورت کے حکم کو حدیث اور فقہ کے دلائل سے مبرھن فرمایا ہے اور تمام ممکنہ شبہات کا ازالہ بھی فرمایا ہے۔ اہلِ علم کے لئے یہ رسالہ نہایت مفید اور اطمینان بخش ہے۔

فھذا آخر ما اردنا إیراده فی ھذہ العجالة، وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیدنا و مولانا محمد النبی الأمین وعلی آلہ وأصحابہ اجمعین۔

٭ یہ مضمون ماہنامہ الحسن جامعہ اشرفیہ لاہور کے خاص نمبر کیلئے دیگر علمی تصنیفی مشاغل کے دوران ہی تحریر کیا گیا تھا البلاغ کے گذشتہ شمارے میں جتنا مضمون قارئین کی نظر سے گزر چکا ہے۔ وہ الحسن میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ ان کے شکریہ کے ساتھ ادارے نے البلاغ کے صفحات میں اسے شائع کر دیا ہے۔ البتہ اسی مضمون کا باقی حصہ ابھی الحسن میں شائع نہیں ہو سکا لیکن قارئین البلاغ کی تشنگی کو محسوس کرتے ہوئے ادارہ البلاغ نے اپنے صفحات میں اس کی تکمیل کر دینی مناسب سمجھی۔ (ادارہ)

ولیمہ مسنونہ کا غیر مسنون طریقہ

محمد عبد اللہ میمن۔ استاد دار العلوم کراچی

ہر انسان کے لئے کسی مناسب عورت سے نکاح ہو کر ایک رفیق زندگی کا میسر آجانا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جس سے دلی خوشی اور مسرت ہوتی ہے۔ اور اس مسرت کا تقاضہ ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا بھرپور شکر ادا کیا جائے۔ اپنی دلی مسرت وشادمانی کا اظہار بھی ہو۔ ولیمہ اس اظہار مسرت کی عملی شکل ہے جس میں یہ حکمت بھی محسوس ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ نکاح کرنے والے مرد اور اس کے گھرانے کی طرف سے خوبصورتی کے ساتھ اس کا اعلان و اظہار ہو جاتا ہے کہ اس رشتہ سے ہم کو اطمینان اور خوشی ہے۔ اور ہم اس کو اللہ تعالیٰ کی قابل شکر نعمت سمجھتے ہیں جس کے نتیجہ میں نوبیاہتا عورت اور اس کے گھر والوں کو بھی اطمینان ہو جاتا ہے اور اس سے باہمی تعلق اور مودت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اور ذاتی طرز عمل دونوں سے اس کی اہمیت ظاہر فرمائی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمن بن عوف پر (یعنی ان کے کپڑوں پر یا جسم پر) زردی کا کچھ اثر دیکھا تو ان سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ میں نے ایک عورت سے کھجور کی گٹھلی کے وزن کے برابر سونے پر شادی کی ہے۔ (یعنی اس کا مہر اتنا مقرر کیا ہے) آپ نے فرمایا اللہ تمہیں مبارک کرے، ولیمہ کی دعوت کرو۔ اگرچہ ایک بکری ہی ہو۔[1]

---

[1] بخاری شریف۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاۃ" کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ ولیمہ ضرور کرو۔ اگر اس کے لئے صرف ایک بکری میسر آئے تو وہی ذبح کر دو۔

اس کے علاوہ عملی طور پر بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے نکاح کے وقت ولیمہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ:

مَا اَوْلَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اُحدٍ مِنْ نِسَائِہٖ مَا اَوْلَمَ عَلٰی زَیْنَب، اَوْلَمَ بِشَاۃٍ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی کے نکاح پر ایسا ولیمہ نہیں کیا جیسا کہ زینب بنت جحش کے نکاح کے موقع پر کیا کہ ایک بکری کے ذریعہ ولیمہ کیا۔ [۱]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری ذبح کر کے ولیمہ کیا۔ جو بذاتِ خود معمولی درجہ کا ولیمہ تھا۔ لیکن دوسری ازواج مطہرات سے نکاح کرتے وقت جو ولیمہ فرمایا وہ اس سے بھی مختصر اور معمولی تھا۔ جیسا کہ اگلی احادیث سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔"

- چنانچہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت آپؐ نے جو ولیمہ فرمایا اس کے بارے میں روایت ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ خیبر سے واپسی پر ابھی آپ سفر میں ہی تھے کہ آپ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اور ان کے ساتھ شب باشی کی (پھر آپ کے حکم پر) میں نے مسلمانوں کو آپ کے ولیمہ کی دعوت دی اور اس ولیمہ میں روٹی گوشت کچھ نہیں تھا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دسترخوان بچھانے کا حکم فرمایا۔ پھر لوگوں نے اس دسترخوان پر کھجور، پنیر اور مکھن وغیرہ جمع کر دیا۔ (یہی آپ کا ولیمہ تھا) [۲]

گویا کہ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی طرف سے کسی چیز کا انتظام نہیں کیا بلکہ ہمراہیوں کے پاس جو کچھ کھانے کی اشیاء تھیں وہ لے آئے دسترخواں پر رکھ دیں سب نے ساتھ مل کر اس کو کھا لیا۔ اس طرح آپ کا ولیمہ ہو گیا۔

---

[۱]: جامع الاصول، جلد ۷، ص ۳۹۱۔
[۲]: بخاری شریف، کتاب النکاح۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ بنت حیی سے نکاح کے وقت صرف ستو اور کھجور کے ذریعہ ولیمہ کیا۔ [1]

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواج مطہرات سے نکاح کے موقع پر صرف دو مُد جَو کے ذریعہ ولیمہ فرمایا۔ [2]

ایک اور روایت ہے:

یحیی بن سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ولیمہ کرتے تھے۔ جس میں بسا اوقات گوشت روٹی وغیرہ کا التزام نہیں ہوتا تھا۔ [3]

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر یہ واضح کردیا کہ ولیمہ کرنا اگرچہ میری سنت ہے۔ لیکن اس میں سادگی اختیار کرنا بھی میری سنت اور میرا طریقہ ہے۔ اگر کوئی شخص ولیمہ میں سادگی چھوڑ کر تکلفات اختیار کرے گا۔ وہ حقیقت میں میری سنت کو ادا کرنے والا نہیں ہوگا۔

اِک نظر اِدھر بھی!

اب ذرا ہم اپنے گھروں میں ہونی والی شادیوں پر نظر ڈالیں کہ ایسے مواقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کو کیا حیثیت دی جاتی ہے۔ کیا اس کی ادائیگی ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کے مطابق کرتے ہیں؟ یا سنت کا نام لے کر اپنے من مانے انداز میں اسے انجام دے کر اس سنّت کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس ایک سنت پر عمل کرنے کے نام سے ہم کتنے بڑے بڑے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس کا مختصر سا جائزہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

ذرا اک نظر ادھر بھی خدارا
بپاس مروت بنام محبت

---

[1]: ابوداؤد۔ کتاب الاطعمۃ۔

[2]: بخاری شریف۔ کتاب النکاح۔ محدثین نے لکھا ہے کہ یہ ولیمہ حضرت ام سلمہؓ سے نکاح کے وقت ہوا۔

[3]: مؤطا امام مالکؒ۔ کتاب النکاح۔

فرض سے زیادہ سنّت کا اہتمام:

وہ حضرات جو اپنی شادی کے موقع پر یا اپنی اولاد کی شادی کے موقع پر ولیمہ مسنونہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ وہ ذرا اپنی روزمرہ کی زندگی کا جائزہ لیں کہ شریعت کی جانب سے ان پر جو فرائض وواجبات عائد ہوتے ہیں۔ وہ ان کو بھی ادا کر رہے ہیں یا نہیں؟ کیا وہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے فرائض انجام دے رہے ہیں؟ کیا وہ اپنی اولاد عزیز واقارب بیوی اور ماں باپ کے حقوق واجبہ ادا کر رہے ہیں؟ کیا وہ اپنے پڑوسیوں کے حقوق ادا کر رہے ہیں؟ کیا اس کے علاوہ دوسرے فرائض وواجبات جو ان پر عائد ہو رہے ہیں ان کو ادا کر رہے ہیں؟ اگر نہیں ادا کر رہے ہیں تو ان کو چاہئے کہ پہلے ان کی ادائیگی کی فکر کریں۔ اس لئے کہ اگر ان فرائض اور حقوق واجبہ کو ادا نہیں کیا تو قیامت کے روز تم سے باز پرس ہوگی کہ تم نے ان کی ادائیگی کیوں نہیں کی تھی؟ جب کہ کسی سنت کے ترک ہو جانے پر ایسا مواخذہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ اگر ان فرائض کو تو ادا کر دیا۔ لیکن ولیمہ مسنون صحیح طریقے پر ادا نہ ہو سکنے کی وجہ سے چھوڑ دیا تو قیامت کے دن آپ سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ تم نے ولیمہ کیوں نہیں کیا تھا۔ مگر ہمارے طرز عمل سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت نے جو فرائض وواجبات ہم سے متعلق کیے ہیں وہ تو ضروری نہیں رہے البتہ یہ سُنت فرض ہو گئی ہے خواہ کسی بھی طریقہ سے ہو لیکن ہونی چاہئے یہ بات بہت خطرناک ہے کہ شریعت کے کسی بھی فعل وعمل کی حیثیت میں تبدیلی کر لی جائے۔ اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

قرض لے کر ولیمہ کرنا:

ولیمہ کرنا سنت ہے۔ لیکن اس وقت جب آپ کے اندر ولیمہ کرنے کی وسعت اور گنجائش ہو۔ اگر آپ کے پاس اتنی وسعت اور گنجائش نہیں، آپ ولیمہ نہ کریں۔ لیکن موجودہ معاشرے میں ولیمہ کو عزت کا مسئلہ بنا لیا گیا ہے اپنی عزت بچانے کی خاطر ولیمہ ضرور کرنا ہے چاہے اس کے لئے ہمیں بھاری قرض ہی لینا پڑے۔ اس لئے کہ اگر ہم نے ولیمہ نہ کیا تو خاندان، کنبہ اور برادری کے لوگ ناک منہ چڑھائیں گے، برا بھلا کہیں گے۔ اور یہ طعنہ دیں گے کہ اگر تم نے ولیمہ نہیں کیا تو ہم بھی تمہیں اپنے یہاں نہیں بلائیں گے۔ سسرال والے یہ طعنہ دیں گے کہ کیا کسی بیوہ سے نکاح کیا ہے کہ صرف نکاح کر لیا۔ ولیمہ کا کھانا بھی نہیں کیا۔

اور جس کی شادی ہوتی ہے وہ یہ سوچتا ہے کہ شادی کون سی روز روز ہوتی ہے زندگی میں ایک ہی بار تو یہ موقع آتا ہے لاؤ ذرا دل کی بھڑاس نکال لیں۔ چنانچہ وہ

دوسرے اخراجات کے علاوہ ولیمہ کے لئے بھی بھاری اخراجات اپنے سر لے لیتا ہے اور اگر وہ اپنے پاس ان اخراجات کی گنجائش نہیں پاتا تو دوسروں سے قرض لے کر ان اخراجات کو پورا کرتا ہے۔ اس طرح ولیمہ کرنے سے نام تو ہو جاتا ہے کہ ماشاءاللہ خوب دعوت ولیمہ کی ہے چند روز کے لئے واہ واہ ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ قرض جو سر پر آگیا ہے سانپ بن کر ڈستا رہتا ہے۔ اب ہر وقت قرض کا مطالبہ کرنے والے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ زندگی کا چین وسکون سب رخصت ہو جاتا ہے۔

یہ سب اس لئے ہوا کہ ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سادہ طریقہ پر ادا نہیں کیا۔ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی قرض لے کر ولیمہ کیا تھا؟ ہرگز نہیں کیا۔ تو ہم قرض لے کر ولیمہ کیوں کرتے ہیں؟ کیا سنت پر عمل کرنے کے لئے کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اپنا جی خوش کرنے کے لئے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے خاندان اور برادری کو خوش کرنے کے لئے اور نام ونمود کی خاطر ایسا ولیمہ کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب اس ولیمہ کے اندر ہمارے اپنے مفادات شامل ہوں گے۔ اور اتباع رسول مقصود نہ ہوگی تو پھر اس ولیمہ کے ذریعہ ہمیں پریشانیاں ہی ملیں گی۔ سنت رسول پر عمل کرنے کے ثواب کا حصول تو بہت دور کی بات ہے۔ آج کل کے دور میں ایسے لوگ بہت کم رہ گئے ہیں جن کا مقصد دعوت ولیمہ سے سنت رسول کا ثواب حاصل کرنا ہو۔

مختصر ولیمہ:

آج کے دور میں جب ولیمہ کی دعوت دی جاتی ہے تو کوشش یہ ہوتی ہے کہ تمام عزیز واقارب واقف کار، دوست احباب اڑوسی پڑوسی، اور دور دراز کے تمام واقفین کو بھی دعوت دی جائے، ان سب کو دعوت دینے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف تو خوب نام روشن ہو گا اور واہ واہ ہو گی کہ اتنی بڑی دعوت کی اتنے ہزار افراد کو بلایا۔ ان کے پاس بڑی دولت ہے حالانکہ اندر کا حال ان کو کیا معلوم کہ اتنی بڑی دعوت صرف قرض کے بل بوتے پر کی جا رہی ہے۔ بلکہ آج کل تو سب ہی کو اس کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ رونق کسی کی جوتیوں کا طفیل ہے۔

اور دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر ان سب کو ہم نے دعوت نہیں دی تو کل کو یہ طعنہ دیں گے کہ سب کو بلایا ہم کو نہیں بلایا، اگر ہمیں دعوت دیتے تو کیا کمی واقع ہو جاتی۔ بس اس طعنہ سے بچنے کے لئے یہ کوشش ہوتی ہے کہ کوئی دور کا عزیز یا دوست اور پڑوسی بھی اس دعوت سے نہ رہ جائے۔

لیکن اس سلسلہ میں بھی ہم یہ نہیں دیکھتے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح

ولیمہ فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتنے افراد کو ولیمہ کی ضیافت میں شرکت کی دعوت دیا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل تو یہ تھا کہ وقت پر جتنے صحابہ کرام جمع ہوتے بس ان کو کھانا کھلا کر ولیمہ کر دیتے۔ اس چیز کا تکلف نہیں تھا کہ فلاں شخص کو بھی بلاؤ، فلاں کو بھی بلاؤ، اور وہاں یہ بات نہ تھی کہ اگر فلاں کو نہیں بلایا وہ ناراض ہو جائے گا۔

اب اگر ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے یہ کریں کہ ولیمہ میں زیادہ بھیڑ بھاڑ جمع نہ کریں بلکہ اختصار اور سادگی کے ساتھ بقدر گنجائش چند افراد کو کھانا کھلا کر دعوت ولیمہ کی سنت ادا کر دیں تو اس سے انشاء اللہ سنت پر عمل کرنے کا ثواب بھی مل جائے گا۔ اور بہت سی زحمتوں اور تکالیف سے محفوظ رہیں گے۔

البتہ ہو سکتا ہے کہ اس صورت میں چند روز خاندان اور برادری کے لوگ آپ کو برا بھلا کہیں بہت سے لوگ طعنہ دیں تو اس کا واحد علاج یہی ہے کہ آپ ان کے کہنے کی پرواہ نہ کریں بلکہ آپ یہ سوچیں کہ میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کر رہا ہوں۔ اگر سنت پر عمل کرنے کے نتیجے میں مجھے کوئی طعنہ دے یا کڑوی کسیلی باتیں سنائے تو میرا اس میں کیا نقصان ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ چین و سکون کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو اس کا راستہ صرف یہی ہے کہ شریعت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو کام آپ اپنے حق میں بہتر سمجھتے ہیں وہ کر گزریں اس کام کے کرنے پر اگر لوگ آپ کو برا کہیں۔ یا طعنہ دیں، اس کی آپ بالکل پرواہ نہ کریں لوگوں کے طعنوں کو سننے کے لئے آپ اپنے اندر ہمت اور حوصلہ پیدا کریں اس کے بغیر آپ دنیا میں سکون کی زندگی نہیں گذار سکتے۔ اگر آپ نے اپنے اندر ہمت اور حوصلہ پیدا نہیں کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جہاں آپ نے کسی کام کے کرنے کا ارادہ کیا وہیں لوگوں نے طعنہ دینا شروع کر دیا بس آپ نے فوراً وہ کام ترک کر دیا یا آپ نے کوئی خاندانی رسم ترک کرنے کا ارادہ کیا۔ اور دوسری طرف خاندان والوں نے کوسنا اور برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ بس آپ نے ان کے کہنے سے متاثر ہو کر اس رسم کے ترک کا ارادہ ختم کر دیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کے اندر ہمت اور حوصلہ نہیں ہے۔ آپ اپنی مرضی پر خود عمل نہیں کر سکتے۔ آپ دوسروں کی خواہشات پر چلنے والے ہیں۔ یاد رکھئے! ایسا شخص دنیا میں اپنا کوئی مقام نہیں بنا سکتا۔ کوئی بڑا مرتبہ یا بڑا منصب حاصل نہیں کر سکتا جو دوسروں کی مرضیات و خواہشات پر چلنے والا ہو دنیاوی طور پر بھی حوصلہ مند انسان وہی ہوتا ہے جو اوروں کی مرضیات پر چلنے کے بجائے ان کو اپنی مرضیات پر چلنے پر مجبور کر دے اسی طرح آپ دین شریعت کے معاملہ میں حوصلہ مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دینی امور پر دوسروں کو چلانے کی کوشش کریں خلاف شریعت باتوں میں ان کے

پیچھے پیچھے چلنا شروع نہ کردیں۔

اور یہی ہمت اور حوصلہ آپ ولیمہ کی دعوت میں بھی اختیار کریں۔ آپ اگر اپنی وسعت کے مطابق قرض لئے بغیر عزیز و اقارب کو دعوت دے سکتے ہیں دعوت دیں۔ دعوت ولیمہ کرنا سنت ہے۔ لیکن اس دعوت کے لئے قرض لینے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ وہ قرض طوق کی طرح آپ کے گلے میں اٹکا رہے گا۔ لہٰذا قرض لے کر ولیمہ کرنا اور پھر اس کو اتارنے کی فکر میں لگ جانے سے بہتر یہ ہے کہ آپ سادگی سے بقدر وسعت ولیمہ کرلیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس طرز عمل سے آپ کو ولیمہ کی سنت کا پورا پورا ثواب بھی ملے گا اور سنت کی ادائیگی کی برکت اور مسرت بھی شامل حال ہوگی۔

(جاری ہے)

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے تین لڑکیوں یا تین بہنوں کے اخراجات برداشت کئے اور اُن کو ادب سکھلایا اور رحم و شفقت کا برتاؤ کیا یہاں تک کہ وہ اُس کے خرچ سے بے نیاز ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے جنّت واجب فرمادیں گے۔

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر دو لڑکیاں یا دو بہنیں ہوں جن کی پرورش کی ہو تو اس بارے میں کیا حکم ہے۔ فرمایا "اس کے لئے بھی یہی فضیلت ہے"۔ راوی کہتے ہیں کہ اگر ایک لڑکی کے بارے میں سوال کیا جاتا تو آپ ایک کے لئے بھی یہی فضیلت بتاتے۔ (مشکوٰۃ)

مولوی محمد عمران اشرف عثمانی

اختتام بخاری کی تقریب

جامعہ دارالعلوم کراچی کا ابتدا سے یہ معمول رہا ہے کہ ہر تعلیمی سال کی ابتداء میں افتتاحِ بخاری شریف اور سال کے اخیر میں اختتامِ بخاری شریف کی سادہ سی تقریب منعقد کیجاتی ہے جس میں جامعہ دارالعلوم کراچی کے تمام اساتذہ، طلباء، منتظمین اور متعلقین شریک ہوتے ہیں۔

حسب سابق اس سال رجب ۱۴۱۱ھ کو اختتام بخاری شریف کی ایسی ہی تقریب کا انعقاد کیا گیا، گذشتہ سالوں کی بنسبت یہ تقریب زیادہ اہمیت کی حامل تھی کیونکہ اس دفعہ اختتامِ بخاری کے ساتھ ساتھ جامعہ دارالعلوم کراچی کی نئی درسگاہوں کی چار منزلہ عمارت کا سنگِ بنیاد بھی رکھا گیا۔

ویسے تو سالِ گذشتہ کی اختتامِ بخاری کی تقریب بھی بہت اہم تھی کیونکہ اس میں عرب کے مشہور بزرگ اور محدث شیخ عبدالفتاح ابوغدّہ صاحب تشریف لائے تھے، اور اس موقعہ پر انہوں نے جامعہ کے نئے چار منزلہ دارالاقامہ (ہوسٹل برائے طلبہ) کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔ یہ زیرِ تعمیر دارالاقامہ دارالعلوم کراچی کے گذشتہ تمام تعمیری منصوبوں میں سب سے بڑا منصوبہ ہے، کیونکہ یہ چار منزلہ دارالاقامہ جو انشاء اللہ چھ سو کمروں پر مشتمل ہوگا۔ اس میں تقریباً تین ہزار طلبہ کی رہائش کا انتظام ہوگا۔ اس کا نقشہ نہایت خوبصورت اور دلکش ہے اور اس میں طلبہ کی تمام ضرورتوں کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا ہے۔ لیکن دارالعلوم کی طرف سے چندے کے لئے سفیروں کو بھیجنے اور خصوصی اپیلیں شائع کرنے کا معمول نہیں ہے جتنی رقم اللہ تعالیٰ بھیج دیتا ہے۔ اتنا کام کرلیا جاتا ہے اس لئے اس کی ایک سال مسلسل تعمیر کے بجائے اب تک اس عمارت کی صرف بنیادیں ہی بھری جا چکی ہیں۔

اسی طرح اس سال ختم بخاری کے موقعہ پر نئی درسگاہوں کی جس عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا گیا ہے اس کا نقشہ بھی نہایت خوبصورتی لئے ہوئے ہے۔ جناب کرنل (ریٹائرڈ) محمد حسین صاحب جو بہت عرصے سے جامعہ کے نقشے بنا رہے ہیں اور اب انہوں نے جامعہ

کا ایک بہت عظیم ماسٹر پلان بھی بنایا ہے۔ انہی نے ان دونوں عمارتوں کا نقشہ بھی تیار کیا ہے۔

ختم بخاری شریف کی یہ تقریب جامع مسجد دارالعلوم میں منعقد ہوئی اس تقریب کا آغاز جناب قاری عبدالرؤف صاحب (متعلم دورۂ حدیث شریف) نے تلاوت کلام پاک سے کیا، جامعہ میں سالہاسال سے بخاری شریف کا درس دارالعلوم کراچی کے ناظم اور دارالعلوم کے سب سے قدیم استاد حضرت مولانا سُبحان محمود صاحب مدظلہم دے رہے ہیں۔ آپ کا درس پورے ملک میں معروف ہے، حسب سابق اس سال بھی انہوں نے بخاری شریف کا اختتامی درس دیا، جس میں انہوں نے فارغین جامعہ اور تمام طلبہ کو اپنی نصیحتوں اور دعاؤں سے نوازا، اور پھر بخاری شریف کی آخری حدیث پر بسط و تفصیل کیساتھ ایمان افروز اور مؤثر کلام فرمایا۔

درسِ بخاری کے بعد جامعہ دارالعلوم کراچی کے صدر محترم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے اختتامی تقریب سے خطاب فرمایا، جس میں انہوں نے جامعہ کی ابتداء سے لیکر اب تک کی تاریخ سنائی، اور دارالعلوم کراچی کی سال بھر کی کارکردگی سے سامعین کو آگاہ کیا اور خصوصاً دین کی اشاعت و حفاظت میں دینی مدارس کا کیا کردار رہا ہے، اس پر انتہائی پُراثر بیان فرمایا۔ میں نے بچشم خود کئی حضرات کو آپ کی تقریر میں روتے ہوئے دیکھا۔ خود آپ بھی اپنی تقریر کے دوران مسلمانوں کے حالات بیان کرتے ہوئے آبدیدہ ہوگئے اور آواز بھرّا گئی۔

آپ کی یہ تقریر اس لحاظ سے انتہائی اہم ہے کہ اس سے دینی مدارس کی زبردست اہمیت کا پتہ چلتا ہے اور یہ کہ امتِ مسلمہ کے ہر نازک موڑ پر علماءِ وقت اور طلباء کا کردار کس قدر اہمیت کا حامل ہوتا ہے، اس تقریر کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر اس کو اس ماہ کے شمارہ میں الگ سے شائع کیا جارہا ہے۔

اس اختتامی تقریر کے بعد حضرت مولانا سُبحان محمود صاحب دام ظلہ العالی نے بہترین دُعا فرمائی اور یوں یہ تقریب اختتام کو پہونچی۔

ہر سال ختم بخاری کے موقعہ پر دورۂ حدیث کے فارغ التحصیل طلبہ کے اعزاز میں ایک ظہرانہ کا اہتمام کیا جاتا ہے، جس میں تمام اساتذۂ جامعہ، طلبۂ درجۂ تخصص فی الفقہ والافتاء اور متعلقین جامعہ شریک ہوتے ہیں۔ اس مرتبہ بھی نمازِ ظہر کے بعد ظہرانہ نہایت سادگی کے ساتھ ہوا اور یوں جامعہ دارالعلوم کراچی کے تعلیمی سال کا اختتام ہوا۔

اعتذار اور استدعاء

البلاغ کے مقبول سلسلے جہاد افغانستان کی قسط اس بار بھی شامل اشاعت نہیں ہو سکی۔ شائقین کو اس سلسلہ میں جو مایوسی اور تکلیف ہو گی ہمیں اس کا بخوبی احساس ہے لیکن یہ درد آمیز اور سحر انگیز تحریر جن کے قلم کا شاہکار ہوتی ہے یعنی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم (صدر دار العلوم) وہ گذشتہ کئی ہفتوں سے مسلسل علالت کا شکار ہیں۔ امید ہے کہ قارئین حضرات ان کی صحت وسلامتی اور عافیت دائمی کے لئے دعا کریں گے اور انشاء اللہ تعالیٰ ہم جلد ہی اس مقبول سلسلے کی اقساط نذر قارئین کر سکیں گے۔

(ادارہ)